جاسوسی دنیا نمبر 23

قاتل سنگریزے

(مکمل ناول)

مرگِ ناگہاں

ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی شعاعیں پیلی کوٹھی کی اوپری منزل پر پھیلی ہوئی تھیں اور پیلی کوٹھی شہر کی دوسری عظیم الشان عمارتوں سے الگ تھلگ سدابہار درختوں اور پھولوں کے تختوں سے گھری کھڑی تھی۔ یہ تھی تو دولت گنج ہی کے علاقے میں لیکن شہری آبادی اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے اردگرد کی آبادی کا شمار شہری آبادی میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیر تھے، جو قریب کے دریا سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ دوچار گھر کپڑا بننے والوں کے بھی تھے۔ ان کے علاوہ پیلی کوٹھی کے مالک کرنل جواد کے ملازمین نے بھی اپنے گھر بنالئے تھے۔ اس علاقے کی ساری زمین کرنل جواد ہی کی تھی، جو اس نے برائے نام کرائے پر اٹھا رکھی تھی۔ کرایہ محض اس لئے لیتا تھا کہ زمین پر اس کا قبضہ مالکانہ قائم رہے۔ ورنہ ویسے اس کا مقصد اس زمین کو آباد کرنا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ کوئی ایسا آدمی وہاں آباد نہ ہونے پائے جو اس کے سامنے سر اٹھا سکے۔ اس کی یہ عنایت صرف نچلے ہی طبقے تک محدود تھی۔ بہر حال پیلی کوٹھی کے چاروں طرف بے شمار چھوٹے موٹے کچے پکے مکانات اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے اور شام کے دھندلکے میں اس بستی میں پیلی کوٹھی نہ جانے کیوں انتہائی پُراسرار معلوم ہونے لگتی تھی۔

خود کرنل جواد اس سے بھی زیادہ پُراسرار تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے فرصت پانے کے بعد سے اس نے یکے بعد دیگرے آٹھ شادیاں کی تھیں اور وہ سب دو دو تین تین سال کے وقفے سے لاولد ہی مرگئی تھیں۔ اسی بناء پر اس کے بعض بے تکلف دوست اُسے بیوی خور کہنے لگے تھے۔ آٹھ

بیویوں میں سے کسی نے بھی اس کا کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اب آخیر عمر میں نزدیک اور دور کے بہتیرے رشتے دار اس کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ اُن میں اس کا سگا بھائی سلیم اور بھتیجا کیپٹن اشرف بھی تھا۔ پہلے وہ دونوں کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے لیکن ادھر دو سال سے ان کا قیام پیلی کوٹھی ہی میں تھا۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ افراد او۔ تھے جن میں اس کا بھانجا ڈاکٹر قدیر نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ شہر میں اس کی پریکٹس اچھی خاصی چلتی تھی اور وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس نے دو ڈاکٹر ملازم رکھ چھوڑے تھے، جو اس کی عدم موجودگی میں اُس کے مریضوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر قدیر عموماً گرمیوں کا زمانہ اپنے ماموں کرنل جواد ہی کے ساتھ گذارا کرتا تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ ابھی تک کنوارا تھا۔ عزیزوں میں وہی کرنل جواد سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ وہی ایک ایسا تھا جسے کرنل کچھ سمجھتا تھا۔ لڑکیوں میں اُسے اپنی بیوہ سالی بیگم نواز کی لڑکی عالیہ بھی عزیز تھی۔ کرنل جواد کی ایک چچازاد بہن اپنے شوہر سے بگاڑ کر کے اُسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا اکلوتا لڑکا نصیر بھی تھا جسے کرنل قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کے عادات و اطوار اُسے ناپسند تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھا اور ہر وقت خود کو بنائے سنوارے رہتا تھا۔ کرنل اُسے عموماً زنخا کے نام سے یاد کرتا تھا۔ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سب کرنل کی کثیر دولت کی لالچ میں یہاں جمع ہوگئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کرنل کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کرنل جواد کے اعزاء اسے خبطی سمجھتے تھے۔ چڑچڑا تو خیر وہ تھا ہی۔ اس پر عمر کا تقاضا۔ لیکن عمر کی زیادتی نے اس کے جسم پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ جسم کی توانائی کی بناء پر اُس کے سفید بال ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے وہ قبل از وقت سفید ہوگئے ہوں۔ ویسے اُس کی عمر ستر سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وقت وہ اپنے پائیں باغ میں بیٹھا اپنے داہنے پیر کے تلوے کا وہ زخم دیکھ رہا تھا جو اُسے تقریباً ایک ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھا۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے داہنے پیر کے تلوے میں کھجلی اٹھی جو بڑھتی ہی گئی اور پھر کھجلاتے کھجلاتے دو چار دن بعد زخم ہوگیا تھا۔ کھجلی اتنی شدید اٹھتی تھی کہ وہ بے اختیار اپنا تلوہ ہر اس چیز سے کھجلانے لگتا جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک دن شیو کرتے وقت کھجلی اٹھی اور اس نے بلیڈ سے کھجلانا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر تلوہ

کئی جگہ سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر قدیر اس کا علاج کر رہا تھا۔ بینڈیج وغیرہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ ہی سے کرتا تھا لیکن زخم ابھی تک نہ بھر سکا تھا۔ جہاں کھجلی اٹھی کرنل جواد پٹیاں کھول ڈالتا اور زخم کو رگڑنے لگتا۔ کبھی مسہری کی پٹیوں سے کبھی صوفے سے اور کبھی کسی درخت کے تنے سے۔

آج ڈاکٹر قدیر صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے خود کرنل ہی پائیں باغ میں بیٹھا ہوا اپنا زخم دھو رہا تھا۔ اس کا سب سے پرانا خادم رفیق پانی ڈال رہا تھا۔

"نہ جانے آج قدیر نے اتنی دیر کہاں لگادی۔" کرنل خود بخود بڑبڑایا۔

"بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص قسم کا مریض مل گیا ہو۔" رفیق نے کہا۔

"لیکن اُسے میرا خیال بھی تو رکھنا چاہئے تھا۔" کرنل نے جھنجھلا کر کہا۔

"کپتان صاحب یا نصیر میاں کو بلاؤں۔" رفیق نے کہا۔

"کیپٹن اشرف کہو۔" کرنل منہ بنا کر بولا۔ "یہ لونڈا تو اس طرح اکڑتا پھرتا ہے جیسے کیپٹن نہیں جنرل ہو اور آواز سنئے تو جیسے بلی میاؤں میاؤں کر رہی ہو۔ پریڈ کیا کراتا ہوگا۔ عجیب زمانہ آگیا ہے، ایسے ایسے نازک بدنوں کو فوج میں نوکریاں ملنے لگی ہیں سنا ہے کہ وہ زنخا بھی کمیشن کے چکر میں ہے۔"

"کون....؟"

"اماں.... وہی نصیر، جسے ہلکی سی چپت بھی ماردوں تو کئی دن بخار آجائے۔"

"صاحب ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھے بالکل پسند نہیں۔" رفیق نے کہا۔

"ارے بابا تو مجھے کب پسند ہیں۔ سنا ہے کل رات کو نصیر نشے میں تھا۔ اگر میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو بتاتا سؤر کو۔ پینے کو دو پیگ اور اودھم اتنا مچائیں گے جیسے قرابے صاف کر گئے ہوں۔"

"سرکار مجھے تو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آتے ہی عالیہ بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور جھوم جھوم کر کہنے لگے، تمہارا نام فل فل فلوٹی ہے، مگر عالیہ بی بی نے بھی وہ زوردار تھپڑ رسید کیا ہے کہ پچھلے جنموں کا حال بھی روشن ہوگیا ہوگا۔"

"میں ہوتا تو مارتے مارتے ادھ مرا کر دیتا۔" کرنل نے کہا۔ "ارے ہم بھی پیتے تھے اور بے تحاشہ پیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ زبان میں لغزش ہو جائے۔"

"کیا میں جانتا نہیں۔" رفیق نے کہا اور پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"کپتان صاحب بھی پیتے ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب کو آج تک نشے میں نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ کیا پئے گا کنجوس مکھی چوس۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "لیکن اس ہنسی سے پیار بھی جھلک رہا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ارے وہ سور! تم اُسے اچھا کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں مجھ سے برابر سے لڑتا ہے۔"

"وہ تو خود آپ ہی نے انہیں شہہ دے رکھی ہے۔"

"مجھے کھرے آدمی پسند ہیں۔" کرنل نے پیر کو خشک کر کے سامنے والی کرسی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ خوشامدی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ سب لوگ میری موت کے منتظر ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رفیق کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کرنل کی رائے سے اتفاق ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر کرنل خود ہی تھوڑی دیر کے بعد بڑبڑانے لگا۔ "لیکن انہیں مایوسی ہوگی۔ وہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے وہ وصیت نامہ مرتب کیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔"

رفیق پھر خاموش رہا۔ دفعتاً کرنل اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم چالیس سال سے میرے ساتھ ہو۔ میری طبیعت کا اندازہ تم نے بخوبی لگا لیا ہوگا۔ اچھا بتاؤ تو میں نے کس قسم کا وصیت نامہ مرتب کیا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" رفیق نے اس کی طرف مرہم اور پٹیاں بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.... اس طرح کچھ سکون مل رہا ہے۔ مرہم لگاتے ہی پھر کھجلی شروع ہو جائے گی۔" کرنل نے کہا۔ "ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں۔"

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم تمام میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو۔" کرنل جھنجھلا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُسے گھورتے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "مجھے اُن سب سے زیادہ تم پر اعتماد ہے۔ میرا کون سا ایسا راز ہے' جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی اور کو اپنا ہمدرد سمجھا ہی نہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ

اب میری موت قریب ہے۔"

"آپ نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کر دیں۔" رفیق نے آہستہ سے کہا۔ "وہ نہ جانے کب کا مر کھپ گیا ہوگا۔"

"نہیں وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ میری موت سے پہلے تو کبھی نہ مر سکے گا۔ وہ خبیث وہ نانجار۔ اُس کے علاوہ اور کون اس سؤر کی تصویر بنا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سؤر کو یا تو میں پہچانتا ہوں یا وہ خود اس سے واقف ہے۔ مجھے اس کی دھمکی آج تک یاد ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے اُسے ہنٹر سے پیٹا تھا۔ میں اُسے پیٹ رہا تھا اور کسی انجانے خوف سے میری روح لرز رہی تھی۔ یہ دھمکی مجھے اسی کی طرف سے موصول ہوئی ہے سنو! اب یا تو میں ہی مروں گا یا وہ خود۔ جب سے مجھے اُس سؤر کی تصویر دکھائی دی ہے میں اپنے پاس ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچے گا۔" رفیق نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے کہ تم اسے دیکھ چکنے کے بعد بھی اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" کرنل نے کہا۔

"میں جادو وغیرہ کا قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے اس کی شخصیت میں کوئی مافوق الفطرت چیز محسوس ہوتی رہی ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ دھوپ غائب ہو گئی تھی اور اب دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ بستی کے مکانوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور چراگاہوں سے واپس آنے والے مویشیوں کی گھنٹیاں فضا میں ارتعاش پیدا کئے ہوئے تھیں۔

کرنل کی نظریں اُفق پر جمی ہوئی تھیں جہاں کئی رنگوں کے شوخ لہریے اُبھر آئے تھے وہ وہاں اسی طرح بیٹھا رہا حتیٰ کہ افق کے رنگ بھی دھندلے پڑ گئے۔ ابھی تک اس کا زخم کھلا ہوا تھا اور رفیق چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس دوران میں ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ کرنل کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رفیق اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ کرنل اپنے عادات و اطوار کے اعتبار سے تقریباً خبطی ہی تھا۔ اگر رفیق ایسی حالت میں اسے اپنی طرف مخاطب کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بے تحاشہ اس پر برس پڑتا اس لئے خاموش ہی رہ کر خود اس کے چونکنے کا انتظار کرتا رہا۔ کرنل کی عادت تھی کہ وہ اکثر اسی طرح گہری سوچ میں ڈوب جاتا تھا اور اس کی آنکھیں اس طرح ویران ہو جاتی تھیں جیسے وہ بحالت بیداری کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا اور اگر اسے اس

محوبت سے چونکانے کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ ضرورت سے زیادہ برافروختہ نظر آنے لگتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کرنل خود بخود چونکا اور اس کی نظریں پھاٹک کے باہر دھندلکے میں رینگنے لگیں۔ پھر وہ بے تحاشہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے زخم....!" رفیق بے اختیار بولا اور اس کی نظروں نے کرنل کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ باہر اُسے کوئی جانور بھاگتا ہوا دکھائی دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔

ساتھ ہی کرنل نے ایک زوردار چیخ ماری اور تیزی سے دوڑتا ہوا پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ رفیق بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن کرنل کی رفتار تیز تھی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر دوڑ رہا تھا۔ رفیق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرنل اس عمر میں بھی اتنا تیز دوڑ سکتا ہے، حالانکہ اس کی عمر ہی کرنل کے ساتھ گذری تھی۔ لیکن اس وقت اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی حیرت کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ خود رفیق بھی بوڑھا تھا اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ زیادہ تیز چل بھی سکتا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ضعیفی کے خیال کے باوجود بھی حتی الامکان کرنل کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایک فائر کی آواز سنائی دی اور اس نے کرنل کی چیخ بھی صاف پہچان لی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ رفیق دیوانوں کی طرح چیختا ہوا آواز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پھر دو گھنٹے کے بعد کرنل کے خاندان کے سارے افراد اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ دولت گنج تھانے سے پولیس بھی آ گئی تھی۔ لاش ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جہاں کرنل گرا تھا۔

کیپٹن اشرف پولیس انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم لوگوں نے فائر کی آواز سنی، پھر پے در پے چیخیں سنائی دیں۔ ہم سب دوڑ کر ادھر آئے تو چچا جان کو اس حال کو پایا۔"

"کیا یہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں پائیں باغ میں بیٹھے اپنے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔"

"ان کے پاس اور کون تھا۔"

"ان کا خادم خصوصی رفیق۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"اس کم بخت کو تو ہم بہت دیر سے تلاش کر رہے تھے۔" کیپٹن اشرف کا باپ سلیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ان دونوں کے علاوہ اور باغ میں کون تھا۔"

"ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔" کیپٹن اشرف نے اپنی آنکھوں پر رومال پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب اندر تھے۔"

"آپ کے گھر والوں میں سے کوئی باہر تو نہیں۔"

"ہاں.... میرا بھانجا ڈاکٹر قدیر....!" سلیم نے کہا۔

"کب سے باہر ہیں۔"

"صبح سے.... غالباً شہر گیا ہوا ہے۔"

"نوکر جو غائب ہو گیا ہے اس کا گھر کہاں ہے۔"

"وہ ہمیشہ بھائی صاحب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔" سلیم نے کہا۔

"کیا اُس سے اُن کی کبھی لڑائی ہوئی تھی۔"

"میرے خیال سے تو کبھی نہیں۔" سلیم نے اپنی روہانسی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب اُس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا آپ سب نے فائر کی آواز سنی تھی۔"

"ہم نے تو سنی تھی کیپٹن اشرف نے کہا اور پھر وہ بیگم نواز، عالیہ اور اپنی پھوپھی بیگم عارف کی طرف مخاطب ہوا جو تھوڑی دور پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ سبھی نے فائر کی آواز صاف سنی تھی۔ چیخوں کے متعلق اُن میں اختلاف تھا۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ رفیق کی چیخیں تھیں اور کوئی کہتا تھا کہ وہ خود کرنل جوادھ چیخ رہا تھا۔

سب انسپکٹر لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"لیکن ان کی موت گولی لگنے سے نہیں ہوئی۔" پھر وہ کرنل کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر نمایاں ہو گئی تھیں۔

"کتنے فائروں کی آوازیں سنی گئی تھیں۔" اس نے کیپٹن اشرف سے پوچھا۔

"صرف ایک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" اشرف نے کہا اور اپنے گھر والوں کی طرف دیکھنے

لگا۔ اس کے اس بیان کی بھی تائید کی گئی۔

"تب تو وہ فائر اسی ریوالور سے ہوا تھا۔" سب انسپکٹر نے ریوالور کی نال کو اپنے ناک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ "اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور کچھ دیر قبل۔"

"تو پھر موت کس طرح واقع ہوئی۔" سلیم نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ "آپ کہتے ہیں کہ ان کے گولی بھی نہیں لگی۔"

"مجھے خود حیرت ہے۔" سب انسپکٹر نے لاش پر ٹارچ سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یک بیک چونک کر کرنل کے پیروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تلوے میں زخم کیسا۔" اس نے کہا۔

"یہ تو تقریباً ایک ماہ قبل سے تھا۔" کیپٹن اشرف بولا۔

"تو کیا یہ عموماً ننگے پیر ہی چلا کرتے تھے۔"

"جی نہیں.... ابھی آپ سے بتایا ناکہ باغ میں بیٹھے اسی زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور ان کا خادم ان کی مدد کر رہا تھا۔"

"کیا وہ زخم کی پٹی خود ہی کیا کرتے تھے۔"

"نہیں! ڈاکٹر قدیر کرتے تھے، لیکن وہ آج صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھے۔"

"کیا اس سے قبل بھی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کرنی پڑی تھی۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہمیں اس کا دھیان نہیں۔" سلیم نے کہا۔

"کیا آج یا اس دوران میں کسی سے ان کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"ان کا کوئی دشمن بھی تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" سلیم بولا۔ "میں تقریباً دو سال سے یہیں مقیم ہوں۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ اکثر ہم میں سے کسی سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ عمر کافی تھی اس لئے کچھ چڑچڑے ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا وہ چڑچڑا پن بھی ہم ہی لوگوں تک محدود رہتا تھا۔"

"غائب ہو جانے والے ملازم کا حاضر ہونا ضروری ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ اس کے بعد کچھ رسمی اور قانونی کاروائیاں ہوئیں اور لاش وہاں سے اٹھوا کر تھانے کی طرف روانہ کر دی گئی۔

پھول کا ڈنک

تین دن گذر گئے مگر رفیق کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس دوران میں گھر والوں میں سے کئی نے پیلی کوٹھی سے چلے جانے کا اردہ ظاہر کیا۔ لیکن پولیس نے انہیں اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک کہ تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔

کرنل کی سالی بیگم نواز خاص طور سے چلے جانے پر مصر تھیں کیونکہ کرنل کے بعد ان کا یہاں ٹھہرنا بعید از مصلحت تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی لڑکی عالیہ کی طرف سے بھی متفکر تھیں کیونکہ بیگم عارف کا لڑکا نصیر اُسے ہر وقت گھورتا رہتا تھا۔ کیپٹن اشرف بھی اس میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔ ڈاکٹر قدیر ہی صرف ایسا تھا جو اس کی طرف کبھی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔

کرنل نے باقاعدہ یا بے قاعدہ طور پر کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے قانونی طور پر اس کا جائز وارث کیپٹن اشرف کا باپ سلیم قرار پایا تھا، حالانکہ سلیم بیگم نواز کو روکے رکھنے پر مصر تھا لیکن بیگم نواز بُری طرح الجھی ہوئی تھیں۔ یہاں وہ اگر کرنل کے بعد کسی سے زیادہ بے تکلف تھیں تو وہ ڈاکٹر قدیر تھا۔ وہ بھی آج کل زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔ حالانکہ کرنل کی طرح سلیم بھی اس کا حقیقی ماموں تھا لیکن وہ سلیم سے زیادہ مانوس نہیں تھا۔ کرنل کی زندگی میں بھی ان دونوں میں بہت ہی کم گفتگو ہوتی تھی۔ البتہ کیپٹن اشرف سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی لیکن نہ جانے کیوں آج کل وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔

کرنل کی پُراسرار موت کے بعد سے پورے گھر پر ایک عجیب سی ویرانی چھا گئی تھی۔ ہر قسم کے کھیل تماشے بند تھے۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف نے بلیرڈ کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ بیگم نواز اور بیگم عارف نے بھولے سے بھی شطرنج کی بساط نہیں بچھائی۔ بہر حال ہر شخص قریب قریب تھوڑا بہت مضمحل ضرور تھا۔ مگر نصیر! اس کے مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اس کی ماں اس کی ان حرکتوں سے عاجز آ گئی تھی۔ مگر خاموشی

کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوہر سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس سر پھرے لڑکے کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کیپٹن اشرف نصیر کو کئی بار اس کی حرکتوں پر ڈانٹ چکا تھا۔ عالیہ کے چھیڑنے کے معاملے میں وہ نہ جانے کیوں خاموش رہتا۔ لیکن جب نصیر بھدے اور بے ہنگم سروں میں امریکن لہجے میں کوئی انگریزی گیت چھیڑ دیتا تو کیپٹن اشرف جھلائے بغیر نہ رہتا۔ آج بھی وہ دوپہر کے کھانے کی میز پر اس پر برس رہا تھا۔

"تم آخر اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چچا جان کی اچانک موت سے خوشی ہوئی ہو۔"

"بھلا مجھے کیا غم ہو سکتا ہے۔" نصیر ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب کہ مجھے ان کی جائیداد سے ایک حبہ بھی ملنے کی امید نہیں۔"

"نصیر....!" اس کی ماں گرج کر بولی اور ڈاکٹر قدیر مسکرانے لگا۔

"نصیر میاں....!" سلیم نے کہا۔ "میں یہاں تم سب سے بڑا ہوں۔ کم از کم تمہیں میرا لحاظ تو کرنا ہی چاہئے۔"

نصیر نے اپنی پلیٹ ایک جھٹکے کے ساتھ آگے سرکا دی اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔" سلیم نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ ہی نے سر چڑھا رکھا ہے۔" بیگم عارف بولیں۔

"بچہ ہے۔" سلیم نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

بیگم نواز، عالیہ اور ڈاکٹر قدیر بالکل خاموش تھے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر رفیق کہاں گیا۔" سلیم نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مزے کر رہا ہوگا۔" بیگم نواز نے کہا۔ "پتہ نہیں نمک حرام نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"نہیں.... میں اس کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں رہا ہے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ مستفسرانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر تھوڑی

دیر بعد سر اٹھائے بغیر بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب و غریب ہے۔"

"کیا....؟" سلیم نے چونک کر نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھنے لگا۔

"معدے میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "لیکن....!" اس نے اپنی نظریں سلیم کے چہرے پر جما دیں۔ "موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر....!" سب بیک وقت بولے۔

"خون میں اچانک تیز قسم کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

ڈاکٹر قدیر خاموش ہو کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔ بقیہ لوگ ہاتھ روکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پیر کے زخم کے ذریعہ جسم میں زہر داخل ہوا۔" قدیر نے آہستہ سے کہا۔ "اور خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو رفیق....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خدا ہی بہتر جانے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"شاید کسی زہریلی چیز پر پیر پڑ گیا۔" عالیہ نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

سلیم کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور آنکھوں میں دبی سی بے چینی کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اٹھ گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم نے کیپٹن اشرف کو برابر والے کمرے سے آواز دی اور وہ اٹھ کر وہاں چلا گیا۔

سلیم بے تابانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ....!" اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کیپٹن اشرف اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سنا.... قدیر کیا کہہ رہا تھا۔" سلیم کیپٹن اشرف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اشرف نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھیں ابھی تک سوالیہ انداز میں سلیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"آخر یہ کیسا زخم تھا جو ایک ماہ کے علاج کے باوجود بھی ہرا ہی رہا؟" سلیم نے پوچھا۔

"میں نے تو اسے ایکزیما ہی کی کوئی قسم سمجھتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

سلیم تھوڑی دیر تک اشرف کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "مجھے قدیر پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جی....!" دفعتاً اشرف چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"زخم کا علاج قدیر ہی کر رہا تھا۔ وہی بینڈیج وغیرہ بھی کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اُس دن سے قبل کبھی وہ بینڈیج کے وقت باہر نہیں رہا۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چچا جان کی موت میں قدیر کا ہاتھ ہے۔" اشرف اٹھتا ہوا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔"

"جی....!" اشرف کا لہجہ بدتمیزی سے بھی کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سلیم اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

اشرف کچھ نہ بولا۔ وہ ہونٹ سکوڑے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سلیم کی طرف مڑا۔

"لیکن یک بیک آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے۔"

"بھائی جان کی وہ دولت جس کا علم کسی کو نہیں۔"

"یعنی....!"

"وہ جواہرات جو وہ افریقہ سے لائے تھے۔"

"لیکن انہوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔" اشرف نے کہا۔

"میں نے آج سے دس سال قبل انہیں دیکھا بھی تھا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "لیکن اب ان کا کہیں پتہ نہیں۔"

"ممکن ہے چچا جان نے انہیں فروخت کر دیا ہو۔"

"قطعی ناممکن.... اس قسم کی چیزیں اُسی وقت فروخت کی جاتی ہیں جب نقد روپیہ نہ ہو۔

بھائی جان کے پاس ہمیشہ نقد روپیہ رہا ہے۔"

"تو پھر آپ قدیر ہی پر کیوں شبہ کر رہے ہیں، رفیق بھی تو غائب ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ چچا جان کے سارے معاملات سے واقف بھی تھا۔"

"ابھی بچے ہو۔ اگر رفیق کو بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اتنا پیچیدہ راستہ کبھی نہ اختیار کرتا۔ اگر وہ ان ہیروں کی موجودگی سے واقف تھا تو انہیں بہ آسانی چرا کر بھی فرار ہو سکتا تھا۔ بھائی جان کی موت کا خواہاں کیوں ہوتا۔"

"کچھ بھی ہو۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔ "میں قدیر کی طرف سے بُرے خیالات نہیں رکھ سکتا۔"

"خیر....!" سلیم نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری زندگی کی گھڑیاں بھی پوری ہو رہی ہیں۔"

"واہمہ ہے۔" کیپٹن اشرف اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" سلیم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جسے کرنل دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

"بیٹھو....!"

اشرف بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے ملے جلے اثرات پائے جا رہے تھے۔

سلیم نے صبح کی ڈاک کے بنڈل سے ایک لفافہ نکال کر اشرف کے سامنے ڈال دیا۔

لفافے پر سلیم کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ اشرف نے اس کے اندر کا کاغذ نکالا اور پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر مضحکانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

کاغذ پر کسی عجیب و غریب جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا جسم تو سُور کا سا تھا لیکن سر۔ وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ اشرف اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ سر کسی پرندے سے مشابہت رکھتا تھا، جسم پر اسی قسم کی دھاریاں تھیں جیسی چیتے کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔

تصویر کے نیچے انگریزی ٹائپ کے حروف میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"میں اس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ نہ سن سکا اس لئے تم پر ہمیشہ نحوست کا سایہ رہے گا تم اور تمہارے بعد والے بھی میرے انتقام کا شکار ہوں گے۔"

تحریر پر نظر ڈالتے ہی اشرف سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلیم خود بخود بڑبڑایا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اشرف نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سلیم نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ "لیکن اس بات پر بھی یقین نہیں آتا کہ کسی نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کو بھی مرنے سے قبل اسی قسم کی کسی الجھن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" اشرف نے بے بسی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر بھائی جان اس دوران میں ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا ریوالور کیوں رکھنے لگے تھے۔"

"اس کے متعلق اکثر میں نے بھی سوچا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"اور وہ بھاگ کر باہر کیوں گئے تھے اور انہوں نے کس پر فائر کیا تھا۔"

"یہ چیز بھی غور طلب ہے۔" اشرف پر تشویش انداز میں بولا۔ "خیر تو میں اس خط کو دولت گنج کے تھانے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں.... میں خود ہی انسپکٹر سے ملوں گا۔" سلیم نے اشرف کے ہاتھ سے لفافہ لے کر پھر دوسرے خطوط کے درمیان رکھ دیا۔

"لیکن قدیر....!" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سلیم نے کہا۔

"آپ نصیر کے متعلق کیوں نہیں سوچتے جبکہ اس تحریر کی روشنی میں اس کی سازش کے امکانات موجود ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی آپ اس کا امکان بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ چچا جان کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چچا جان نے کبھی اُسے عالیہ کو چھیڑنے پر لعنت ملامت کی ہو اور اسے اس پر غصہ آگیا ہو۔ اس تحریر میں بھی کسی لڑکی کا تذکرہ موجود ہے اور آپ اس جملے کا مطلب بھی بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ بیگم نواز یہاں سے کبھی کی چلی گئی ہوتیں، لیکن پولیس نے ہر ایک کی نقل و حرکت پر پابندی لگادی ہے۔ وہ چچا جان کی زندگی میں ہی جانے کے لئے تیار تھیں۔"

"خدا جانے....!" سلیم اکتا کر بولا۔ "لیکن مجھے نصیر اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا۔ بدتمیز ضرور ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنی سی بات پر خون کر دینے پر آمادہ ہو جائے۔ عالیہ کے مسئلہ پر میں بھی دو ایک بار اُسے ڈانٹ چکا ہوں۔"

"نصیر اور صرف نصیر....!" اشرف آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن پھر جواہرات کہاں گئے۔"

"بہر حال میں بھی اس خط کو محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہے۔" اشرف نے کہا۔

سلیم نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

سلیم دن بھر اکتایا اکتایا سا نظر آتا رہا۔ نصیر سب سے ناراض ہو کر پورٹیکو میں ٹہل رہا تھا۔ ڈاکٹر قدیر حسب معمول کھانا کھا کر شہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پورٹیکو میں نصیر کی ماں بیگم عارف بھی دکھائی دی۔ دونوں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ نصیر کی حرکات و سکنات سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔ بیگم عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شاید اندر لے جانا چاہا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور پھولوں کی کیاریاں پھلانگتا مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بیگم عارف چند لمحے کھڑی بسورتی رہی پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ دھوپ میں تیزی ضرور تھی، لیکن ہوا گرم نہیں تھی۔ پھر بھی کھانا کھا چکنے کے بعد وہ سب تقریباً اونگھنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ سو گئے اور کچھ اونگھتے رہے۔ بیگم عارف اور بیگم نواز نصیر کے رویئے پر لڑ جھگڑ کو سو گئی تھیں۔ عالیہ اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

تین بجے ڈاکٹر قدیر خلاف توقع واپس آگیا۔ نصیر تو اسی وقت سے غائب تھا اور اشرف شائد دولت گنج کے تھانے کی طرف نکل گیا تھا۔

چار بجے دفعتاً پائیں باغ میں شور سنائی دیا۔

اور پیلی کوٹھی والوں کو ایک دوسرے حادثے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ سلیم عقیق البحر کی کیاریوں کے قریب پڑا کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا....!" قدیر بے تحاشہ اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"اشرف.... اشرف.... بیٹے۔" سلیم کربناک انداز میں چیخا۔ "وہی سور.... وہی سور۔"

"کیا ہوا....!" قدیر نے اُسے پھر جھنجھوڑا اور سلیم کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"اشرف....!" وہ پھر چیخا۔

اتنے میں اشرف پھاٹک میں داخل ہوا۔ کیاریوں کے قریب بھیڑ دیکھ کر وہ بے تحاشہ دوڑا۔

"ارے یہ کیا ہوا....؟"

"اشرف....!" سلیم پھر چیخا۔ وہ اپنی ایک انگلی اس طرح دبائے ہوئے تھا جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔

"یہ کیا ہوا....!" اشرف اُسے اٹھانے کے لئے جھک گیا۔

"بیٹے....!" سلیم اشرف کی آغوش میں چیخا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" اشرف لاش سمیت دھڑام سے زمین پر آرہا؟ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔

ڈاکٹر قدیر نے بدِقت تمام بیہوش اشرف کو سلیم کی لاش سے الگ کیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور اس بار خانہ تلاشی ہوئی کیونکہ ڈاکٹر قدیر نے اس موت کو بھی کسی سریع الاثر زہر کا نتیجہ قرار دے دیا تھا۔ مرنے والے کے ناخن پیلے پڑ گئے تھے اور اس کے منہ سے ہرے رنگ کا رقیق مادہ بہہ رہا تھا۔

ان کیاریوں میں دیکھ بھال کرنے پر پولیس کو وہاں ایک بھرا ہوا ریوالور پڑا ملا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ اشرف نے اس ریوالور کی شناخت کرتے ہوئے وہ عجیب و غریب خط پولیس کے حوالے کر دیا، جو آج صبح ڈاک سے اس کے باپ کو موصول ہوا تھا۔

اس دن نصیر بہت رات گئے واپس آیا اور نہ جانے کیوں وہ اس موت پر بے اختیار رو پڑا۔ حالانکہ کرنل کی موت پر اس کی آنکھیں بھیگی تک نہیں تھیں۔

وہ جانور

صبح بہت خوشگوار تھی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید فریدی کی کوٹھی کے عقبی پارک میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا تھا۔ چہرہ بھی اوپر ہی کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایڑیاں اٹھائے بغیر اپنا جسم آہستہ آہستہ اوپر کی طرف تان رہا ہو۔ ماتھے کی رگیں پھول آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ننھا منا سا فاکس ٹیریئر اس کے پیروں سے ٹکا ہوا ان سے اپنا جسم رگڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھونکتا ہوا اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پتلون کا پائنچہ کھینچنے لگتا۔

"ہوں۔ ہوں۔"

کتے نے پھر اس کا پائنچہ کھینچا۔

"ابے ہٹ....!" حمید بدستور ہاتھ اٹھائے بولا۔

اب کی کتے نے جست لگائی اور اُس کے سینے تک آگیا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... تیری.... سُور کے بچے۔" وہ جھلا کر اس کے پیچھے دوڑا۔ کتا کوٹھی کی طرف بھاگ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ دفعتاً فریدی نے اُسے آواز دی جو لائبریری کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

حمید اس کی طرف پلٹ آیا۔

"اندر آؤ....!" فریدی نے کہا۔

"پہلے اس لکی کے بچے کی ٹانگیں توڑ دوں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہو۔"

"خواہ مخواہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "میں ان سارے کتوں کو چن چن کر زہر دے دوں گا۔"

"چلو خیر! تمہیں شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کتوں کو کونسا زہر دیا جاتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید بھنبھناتا ہوا لائبریری میں چلا گیا۔

"تو کیا آپ رات بھر یہیں بیٹھے رہے۔" حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی اس وقت بھی وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس نے پچھلی رات کو پہن رکھے تھے اور میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے پُر تھا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس لئے کہ میں اس سے واقف ہوں۔"

"کیا....؟"

"شہر میں کسی عورت نے کوئی ایسا بچہ جن دیا ہوگا جس کے تین سر ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یا پھر کوئی گدھا آدمیوں کی طرح بولنے لگا ہوگا۔" حمید پھر بولا۔

"خیر وہ تو بڑی دیر سے بول رہا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کھسیانے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس لئے پریشان ہوں کہ تم جیسے کاہل آدمی نے آج کل ورزش کیوں شروع کردی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آج کل ہپناٹزم کی مشق کر رہا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"اچھاجی!" فریدی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"بھلا یہ مشق کس قسم کی تھی، جس میں کتا تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔"

"قوت ارادی بڑھتی ہے اس سے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ایڑیاں اٹھائے بغیر جسم کو تانتا چلا جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ کے لئے ہر بات مضحکہ خیز ثابت ہو جاتی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"خواہ مخواہ جھک مت مارو۔"

"میں بددل نہیں ہو سکتا۔ اس مشق کو جاری رکھوں گا۔" حمید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں....!"

"سب سے پہلے اضطراری افعال پر قابو پانا سیکھو۔" فریدی نے کہا۔ "اب یہی دیکھو.... خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے دونوں ٹانگیں ہلا رہے ہو۔ اس سے فائدہ۔ جسم کی ہر وہ حرکت جس سے انرجی ضائع ہوتی ہو ذہن کو یکسوئی نہیں دے سکتی۔ ہپناٹزم کے لئے ذہن اور جسم کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے جسم کی اس حرکت سے قطعی بے تعلق ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یک بیک تم پر اس کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔"

"آپ میری ہر بات کو خبط کیوں قرار دیتے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔

"اس لئے کہ تم کسی معاملے میں مستقل مزاج نہیں ثابت ہوئے۔"

"اس بار ثابت کر دکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر.... تم کسی نیک ارادے کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہو۔"

"یعنی....!"

"کسی احمق نے کہہ دیا ہوگا کہ ہپناٹسٹ کی آنکھوں میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو مسلمہ ہے۔"

"اور اسی لئے تم پر ہپناٹزم کا خبط سوار ہو رہا ہے۔ تاکہ بوڑھی عورتوں کو اپنی طرف کھینچ سکو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"آپ کے سر پر تو ہر وقت عورت سوار رہتی ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آخر آپ پچھلی رات سوئے کیوں نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں آواز دی تھی۔" فریدی بولا۔ "کل تم بیکاری کی شکایت

کر رہے تھے نا۔"

"آئی شامت....!" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے کہا اور میز کی دراز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید اس کاغذ کو دیکھتے ہی پہلے تو ہنسا پھر اس طرح منہ بنانے لگا جیسے رو دینے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میں ہنسا اس لئے کہ چلو پیچھا چھوٹا اور رویا اس لئے کہ اب چھوٹے چھوٹے بچے آپ پر پتھر چلائیں گے۔" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یہی وہ تصویر ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "جسے دیکھ کر حاتم طائی نے کہا تھا، ایک بار دیکھا ہے دوسری بار چشمہ لگا کر دیکھنے کی ہوس ہے اور حاتم اس کلمے کو سن کر اُتنا رو دیا تھا کہ بحر عرب کی ساری مچھلیاں درختوں پر چڑھ گئی تھیں اور پھر جب تک حمام باد گرد کا پتہ نہیں لگ گیا تھا ماہی گیر درختوں پر پتھر چلا کر اپنی بسر اوقات کرتے رہے تھے....اور....!"

"شٹ اپ....!"

حمید منہ سکوڑ کر وہ کاغذ واپس کرنے ہی جا رہا تھا کہ رک کر پھر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ "ہائے ہائے یہ کس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ ہے۔"

"ادھر لاؤ۔" فریدی نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے کر کہا۔ "اب چپ چاپ یہاں سے چل دو۔"

"آخر اس ناراضگی کی وجہ۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم کسی وقت سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔"

"تو کیا واقعی یہ سنجیدگی کا موقع تھا۔"

"بکو مت....!"

"کمال کر دیا آپ نے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "بے تکے کارٹون دیکھا کر مجھے سنجیدہ رہنے کی تلقین فرماتے ہیں.... کیا سچ مچ۔"

"جی ہاں.... میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر مسکرا دیا۔

"اگر آپ رات بھر مصوری کی مشق کرتے رہنے کے بعد اتنی حسین تصویر بنانے میں

کامیاب ہوئے ہیں تو میں تہہ دل سے آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے امکانات پر غور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر یک بیک چونک پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ فریدی سچ مچ سنجیدہ ہے۔ پھر اس کی نظر جواب طلب انداز میں فریدی کے چہرے پر جم گئی۔

"دولت گنج کی عمارت پیلی کوٹھی کے کیس کے متعلق اخبار میں کچھ دیکھا تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں....ہاں....وہی کرنل شمشاد....!"

"جی نہیں کرنل جواد.... تمہاری یادداشت بڑی مایوس کن ہے۔"

"چلئے....نام سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر پرسوں اس کا بھائی بھی پُر اسرار حالات میں موت کا شکار ہو گیا۔"

"کل کے اخبار میں یہ بھی پڑھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی ہی شامت آئے گی۔ لہٰذا شامت آنے سے پہلے ناشتہ تو کر لیجئے۔"

فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔

"اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر آیا۔

"چائے یہیں دے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور نوکر چلا گیا۔

"یہ کیس دولت گنج کے تھانے نے اپنے یہاں بھیج دیا گیا ہے۔" فریدی اس کاغذ کے ٹکڑے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

حمید کچھ نہ بولا اور کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور باہر نرم نرم گھاس پر پڑے ہوئے نقرئی قطروں سے کئی طرح کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"اور یہ خط" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سلیم کو اسی صبح کو موصول ہوا تھا جس دن اس کی موت واقع ہوئی۔"

"کون ساخط....!" حمید نے پوچھا۔

"یہی....!" فریدی نے کاغذ کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آپ نے تفتیش شروع کر دی۔"

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں تھانے داروں کی رپورٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کرنل کا کوئی نوکر بھی تو غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں.... اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"اس تصویر کے نیچے کی تحریر عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور خود اس تصویر کے متعلق کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تصویر۔" حمید تصویر کو فریدی کے ہاتھ سے لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس پر نظر جمائے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "میرے خیال سے یہ چڑ چیت سؤر کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟"

"چڑ چیت سؤر۔" حمید محققانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ سر چڑیا جیسا ہے جسم پر چیتے جیسی دھاریاں ہیں اور جسم کی بناوٹ اسے سؤر ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا نام چڑ چیت سؤر ہے۔ ٹمبکٹو میں پایا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اکثر پیارے خالو بھی کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے ہے خالو نہیں بھالو کہتے ہیں لیکن فاہیان اسے جنجھالو کہنے پر مصر ہے اور ابن بطوطہ نے تو شفالو کہہ کر بمشکل جان بچائی ہے لیکن اس ناہنجار یعنی حمید ولد وحید ساکن پورٹ سعید کی جان بچتی نظر نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ۔"

"بک چکے....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یقین نہ آئے تو ہدایت نامہ خاوند کا صفحہ ۲، ۳ ملاحظہ فرمائیے۔" حمید اُسی موڈ میں بولا۔ "تمام پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دینے پر پوری رقم ہضم....!"

"اب چپ بھی رہو.... ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں چائے آگئی اور حمید یہ بھی بھول گیا کہ اس نے بات کہاں سے چھوڑی تھی۔ فریدی خاموشی سے ناشتے میں مشغول رہا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

دفعتاً برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی۔

"شاید وہ آگئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر قدیر.... اور کیپٹن اشرف....!"

"کون ڈاکٹر قدیر.... راجروپ نگر والا۔"

"نہیں کرنل جواد کا بھانجا۔ ہملٹن روڈ پر جس کا دواخانہ ہے۔"

"اچھا وہ! وہ تو کئی بار کتوں کے سلسلے میں یہاں آچکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور کیپٹن اشرف.... کرنل کا بھتیجا اور وارث ہے۔ لیکن میں اُس سے شخصی طور پر واقف نہیں۔ کل رات کو ڈاکٹر قدیر نے فون پر کہا تھا کہ وہ دونوں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو یہ کیپٹن اشرف شائد اسی شخص کا لڑکا ہے جس کی موت کرنل کے بعد واقع ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔"

اتنے میں نوکر دو ملاقاتی کارڈ لے کر آیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف لائبریری میں داخل ہوئے۔

رسمی گفتگو ہونے کے بعد فریدی نے انہیں ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

"غالباً آپ لوگ اسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر قدیر سے فریدی نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ نہ بھی آتے تو تھوڑی دیر میں ہم ہی آپ تک پہنچتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ کیس ہمارے محکمے میں آگیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "ورنہ پولیس سے تو کسی قسم کی توقع نہیں۔"

"آپ کا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ اس کیس میں تو کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔"

قدیر اور اشرف چونک کر فریدی کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیا کرنل کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔" کیپٹن اشرف نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قدیر نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"آپ کے والد کی موت کے وقت انکے قریب کون کون تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ایک تو میں ہی تھا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "اور تین عورتیں، پانچ نوکر۔"

"سب یہیں موجود ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کی چیخ سن کر سب سے پہلے اُن کے پاس کون پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں....!" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔

"وہ غالباً اس وقت زندہ ہی تھے؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں....!"

"انہوں نے کچھ کہا تھا۔"

"کچھ نہیں.... اشرف کو پکار رہے تھے۔"

"حالت کیا تھی۔"

"انہوں نے اس طرح اپنی ایک انگلی دبا رکھی تھی جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔"

"ہوں.... اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس موت کو بھی زہر ہی کی وجہ قرار دیتی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"جی ہاں....!"

"اور زہر پھیلنے کا ذریعہ غالباً وہ کانٹا قرار دیا گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی پڑھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر.... ہاں تو.... اس ملازم رفیق کے علاوہ بھی آپ کسی کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔"

"ہمارا شبہ تو اس پر بھی نہیں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

پھر اس نے رفیق کے متعلق فریدی کو سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا اس تصویر کے نیچے والی تحریر پر بھی آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں...." کیپٹن اشرف بولا۔ "خود والد مرحوم اسے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے تھے۔"

فریدی کچھ اور پوچھنے جا رہا تھا کہ دفعتاً ڈاکٹر قدیر بول پڑا۔

"ٹھہریئے.... اس وقت اب ایک بات اور یاد آ رہی ہے، جو میں اپنے بیان میں لکھوانا بھول گیا تھا۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"چھوٹے ماموں نے اشرف کو پکار کر یہ بھی کہا تھا.... وہی سور.... وہی سور۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ "یہ بہت اہم بات تھی۔"

وہ آہستہ سے بولا۔ "کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں.... بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔"

"اور ان کا پستول عقیق البحر کی کیاری میں ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بہتر ہے میں گیارہ بجے تک آپکے یہاں آؤں گا۔ گھر کے ہر فرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

تھوڑی دیر وہ بعد دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ان حضرت کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو وہ سُوّر دکھائی بھی دیا تھا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

"اور آپ اس پر یقین رکھتے ہیں۔"

"میں نے یہ بھی تو نہیں کہا۔ ویسے ڈاکٹر قدیر کے بیان کے انداز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... لیکن میں یقین کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اس قسم کے کسی سُوّر کا وجود بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے اس کی کوئی مستقل قسم نہیں ہے لیکن ایک آدھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم نے چار آنکھوں اور تین سینگوں کے بیل نہیں دیکھے۔"

"بہت دیکھے ہیں لیکن....!"

"فکر کی بات نہیں! فی الحال اس جانور کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس وقت تم نے پیسڑیاں بہت کم کھائیں۔"

گوشت میں دھواں

فریدی اور حمید کئی گھنٹے سے پیلی کوٹھی میں چھان بین کر رہے تھے۔ نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر غالباً صبح ہی سے غائب تھا۔ فریدی نے کرنل کے کاغذات بھی دیکھے۔ اس کی خواب گاہ کا بھی جائزہ لیا۔ پھر کیپٹن اشرف نے فریدی کو بھی بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی زبانی کرنل کے کچھ جواہرات کا تذکرہ بھی سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا.... کہ وہ غائب ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خود اس قسم کی کسی چیز سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھا۔

"کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جواہرات رکھے کہاں جاتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا۔"

"تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ گمشدہ نوکر رفیق کی طرف سے مشکوک ہیں۔"

"والد صاحب کا شبہ اس پر نہیں تھا۔"

"کیا انہوں نے کسی اور پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا اور پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ کیپٹن اشرف کچھ ہچکچا رہا ہے۔

"اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں! انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ یہ سمجھ لیجئے....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی شبہ کر سکتے تھے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "صاف صاف کہئے نا۔"

"بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"لیکن آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔"

اشرف خاموش ہو گیا۔ وہ بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بات کے چھیڑ دینے پر پشیمان ہو۔

"دیکھئے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "جب تک آپ لوگ صاف صاف باتیں نہ بتائیں گے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"کس طرح کہوں۔"

"وہ تو بتانا ہی پڑے گا۔" اس بار فریدی کا لہجہ قدرے درشت تھا۔

"نہیں بھائی قدیر پر شبہ تھا۔" اشرف نے آہستہ سے کہا۔

"شبہے کی وجہ بھی بتائی تھی انہوں نے۔"

اشرف نے اپنی اور اپنے والد کی وہ ساری گفتگو دہرادی جو اس کے مرنے سے چند گھنٹے پیشتر ہوئی تھی، لیکن اس نے نصیر کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ خود اس کا شبہ نصیر پر تھا۔

بیانات سے فرصت پانے کے بعد فریدی اور حمید پائیں باغ میں آگئے۔ وہ اسی کیاری کے قریب کھڑے ہوئے تھے جہاں سلیم مرنے سے قبل گرا تھا۔

حمید بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیوں کیا کسی خاص نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا....!"

"حسن جہاں ہے جہاں نظر آئے قابل پرستش ہے۔"

"تو تم اتنی دیر اسی پر غور کرتے رہے۔" فریدی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"کیوں کیا اس پر غور کرنا جرم ہے۔"

فریدی کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کیاری کے قریب کی جھاڑیوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"عقیق البحر میں کانٹے نہیں ہوتے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی ان کیاریوں میں نہیں چھپ سکتا۔ لامحالہ اُسے جھاڑیوں میں چھپنا پڑا ہوگا۔"

"کسے چھپنا پڑا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس نے سلیم کی انگلی میں زہر کا انجکشن لگایا تھا۔"

"زہر کا انجکشن....!"

"اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خود بخود اس کے جسم میں زہر پھیل گیا۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "دولت گنج کی پولیس نے بہت دیر کر دی۔"

"تو پھر کیپٹن اشرف کا شبہ بھی ضرور وزن رکھتا ہے۔" حمید نے کہا

"ہو سکتا ہے۔"

فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا۔ پھر باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں حمید نے ایک سرخ رنگ کا رومال دیکھا جو اس کا نہیں تھا۔

"یہ رومال....!"

"جھاڑیوں میں تھا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اشرف نے ڈاکٹر قدیر پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن حقیقتاً وہ اس شخص کی طرف سے مشکوک معلوم ہوتا ہے، جس کا نام اس نے نصیر بتایا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں.... میں تو اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا سچ مچ مرنے سے پہلے اُسے وہ عجیب و غریب جانور دکھائی دیا تھا۔"

"میں فی الحال اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ اُسے وہ سُوّر دکھائی دیا ہو۔"

"پھر وہ سُوّر سُوّر کیوں چیخا تھا۔"

"اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ اس نے سچ مچ وہ سُوّر دیکھا ہی ہو۔ وہ اپنا جملہ نہیں پورا کر سکا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے وہ کچھ اور کہتا۔"

حمید پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "کہ زہر کا انجکشن دینے میں بھی کچھ وقت لگا ہوگا اور سلیم ان جھاڑیوں کے قریب ضرور آیا ہوگا اگر اسے وہ سُوّر دکھائی دیا ہوتا تو وہ دور ہی سے اس پر فائر کرتا۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"یہاں بھی سُوّر کی تصویر۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ممکن ہے ان جھاڑیوں میں اسے سُوّر کی تصویر دکھائی دی ہو اور وہ اسے نکالنے کے لئے یہاں تک آیا ہو اور جھاڑی میں چھپے ہوئے کسی نامعلوم آدمی نے اسی دوران میں اس کی انگلی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہو۔"

"آخر آپ انجکشن ہی پر کیوں زور دے رہے ہیں۔"

"وہ یوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔"

"ڈاکٹر قدیر آ رہا ہے۔" حمید بیک بیک آہستہ سے بولا۔

"آنے دو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور وہ سرخ رومال جیب میں رکھ لیا جو اُسے جھاڑیوں میں ملا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اُن کے قریب آ کر رک گیا۔

"نصیر صاحب نہیں آئے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اس کا کچھ ٹھیک نہیں معلوم کب آئے۔"

"سلیم صاحب والی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وضاحت کے ساتھ مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"مثلاً زہر کا انجکشن....!" فریدی اُسے پر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگا لیا تھا۔" قدیر نے کہا۔ "میں خود یہ جانتا ہوں کہ عقیق البحر کے پودوں میں کانٹے نہیں ہوتے۔"

"آپ کے علاوہ گھر میں کوئی اور بھی اس قسم کی رائے رکھتا ہے۔"

"کسی نے اس کا اظہار نہیں کیا....؟" قدیر نے کہا۔

"اب ذرا مجھے یہ بتائیے کہ کرنل صاحب کی لاش کہاں پائی گئی تھی۔" فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

قدیر ان کی رہنمائی کرنے لگا اور وہ پھاٹک سے نکل کر تقریباً دو تین سو گز کے فاصلے پر آ کھڑے ہوگئے۔

"غالباً یہاں گرے تھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ تو شائد اس موقع پر موجود نہیں تھے۔" فریدی بولا۔

"ہاں میں شہر میں تھا اور اس وقت واپس آیا تھا جب پولیس چھان بین کر رہی تھی۔"

"خیر.....!" فریدی نے کہا۔ "اچھا تو تھوڑی دیر بعد پھر میں آپ کو تکلیف دوں گا۔" اور ڈاکٹر قدیر کا مطلب سمجھ کر کوٹھی کی طرف لوٹ گیا۔

فریدی بغور زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں بے شمار سنگریزے بکھرے ہوئے تھے اور اس حصے کی سطح بھی کچھ اونچی تھی۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور ان سنگریزوں کو اس کی مدد سے دیکھنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر حمید سے بولا۔ "کار سے چمڑے کا تھیلا اور واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔"

"کیا چہل قدمی کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کرو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

دھوپ تیز تھی۔ حمید طرح طرح کے منہ بناتا ہوا چل دیا۔ اس نے ابھی تک فریدی کے چہرے پر وہ آثار نہیں دیکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ کیس بھی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

حمید نے کار سے تھیلا نکالا جو کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اس میں رکھی ہوئی چیز دیکھی۔ یہ کچے گوشت کے کئی ٹکڑے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں حیرت سے دیکھتا رہا پھر واکنگ اسٹک اٹھا کر فریدی کی طرف چل پڑا۔

"یہ پیشہ زیادہ مناسب رہتا۔" حمید اُس کے آگے تھیلا ڈالتا ہوا بولا اور واکنگ اسٹک بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے واکنگ اسٹک کے سرے پر باندھنے لگا۔

"کیا آپ بھی مداریوں کی سی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مزہ نہ آئے تو پیسہ واپس۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ ہم یہاں بہت دیر میں پہنچے ہیں۔ لیکن دیکھو شاید ابھی کچھ مزہ باقی ہو۔"

فریدی واکنگ اسٹک کے گوشت بندھے ہوئے سرے کو آہستہ آہستہ قرب و جوار کی زمین پر پھیرنے لگا تھا۔

"کاش اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈگڈگی اور بانسری ہوتی۔" حمید نے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

اگر میں نہ ہوتا تو تم یہی سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے۔" اس نے کہا۔

حمید بظاہر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حیرت بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر فریدی کو اس سے زیادہ احمقانہ حرکتیں کرتے دیکھ چکا تھا اور اس کا تجربہ شاہد تھا کہ وہ بعد کو بہت ہی تحیر خیز انجام پر ختم ہو گئی تھیں۔ حمید کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔

فریدی نے اس دوران میں بتائی ہوئی جگہ کا چکر لگا ڈالا۔ واکنگ اسٹک سنگریزوں پر پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی کے منہ سے ایک آسودگی آمیز آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ واکنگ اسٹک کے گوشت لگے ہوئے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"لو میاں حمید.....!" اس نے واکنگ اسٹک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سنگریزوں پر نہایت لذیذ قسم کا گوشت پکایا جاسکتا ہے۔"

حمید نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ ایک پتلی سی دھوئیں کی لکیر اس سے نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

"یہ کیا.....!" حمید کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔

"مداری کے ہاتھ کی صفائی۔ اب بجاؤ ڈگڈگی۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید آگے جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

جس جگہ سے دھواں نکل رہا تھا وہاں اُسے سفید رنگ کا ایک ننھا سا سنگریزہ دکھائی دیا۔ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمٹی نکالی اور سنگریزے کو اُس سے پکڑ کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

"ہمیں یہاں اسی طرح کے اور بھی سنگریزے تلاش کرنے ہیں۔ ورنہ پھر کسی کی جان جائے گی۔" فریدی نے کہا اور زمین پر جھک گیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد ویسے ہی دو تین ذرے اور ملے۔

حمید اس دوران میں اس سے بہت کچھ پوچھتا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پیلی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

چار بج چکے تھے اور موسم بھی کچھ اعتدال پر تھا۔ پسینے میں شرابور کردینے والی تپش سے نجات مل گئی تھی۔ فریدی نے حمید کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا اندر نہ چلئے گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی ابھی ایک نئی صورت سامنے والی کھڑکی میں دیکھی تھی۔"

"یقیناً وہ کوئی عورت رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی، لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے مشین بند کردینی پڑی۔ ڈاکٹر قدیر پورٹیکو سے اُسے رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر قدیر تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"فریدی صاحب! ایسی بھی کیا بے مروتی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرے خیال سے ہمارے تعلقات نئے نہیں۔"

"قطعی نہیں! بھلا اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"ہم نے آپ ہی لوگوں کے انتظار میں شام کی چائے نہیں پی۔" قدیر نے کہا۔ "اور آپ ہیں کہ اس طرح چپ چاپ چلے جارہے ہیں۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر آئے۔

ڈرائنگ روم میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر بھی واپس آگیا تھا۔ غالباً حمید نے اسی نئی صورت کے متعلق کہا تھا۔ نصیر کے علاوہ بقیہ لوگوں سے وہ پہلے ہی متعارف ہوچکے تھے۔

فریدی نصیر کو تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ نہ جانے کیوں حمید اُس سے چند سوالات کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے بیان کے مطابق انہیں معلوم ہوا تھا کہ نصیر سلیم کی موت پر بے تحاشہ رو دیا تھا جب کہ کرنل کی موت پر اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی تھی۔ حمید اس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے۔ کیونکہ عالیہ ڈاکٹر قدیر سے گفتگو کرتے وقت بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے وہ رومال نکالا جو اُسے جھاڑیوں میں پڑا ملا تھا اور اُسے میز پر رکھ کر چٹکی سے مسلنے لگا۔ لیکن خود حمید کو بھی یہ محسوس نہ ہوسکا کہ فریدی نے یہ حرکت ارادتاً کی ہے۔ بس ایسا

معلوم ہورہا تھا جیسے باتوں کی رو میں قطعی غیر ارادی طور پر اُس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

کیپٹن اشرف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "انسپکٹر صاحب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔"

فریدی پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پورج لیجئے۔" نصیر نے فریدی کی طرف پلیٹ سرکائی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں کچھ چونک سا پڑا۔

"شکریہ.... بس میں شام کو صرف چائے پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اب حمید کو رومال کا خیال آیا اور وہ متجسسانہ نظروں سے نصیر کو دیکھنے لگا۔

"ہاں آپ نے کیا فرمایا تھا۔" فریدی اشرف کی طرف مخاطب ہوگیا۔

"اگر وہ پُراسرار خط محض مذاق نہیں تھا۔" اشرف بولا۔ "تو پھر مجھے بھی مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"اس میں بعد والوں کے لئے بھی تو دھمکی تھی۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ چچا جان کو بھی اسی قسم کا کوئی خط موصول ہوا تھا تو پھر اب میری ہی باری ہے کیونکہ ان کا ترکہ میرے والد مرحوم سے گذرتا ہوا مجھ تک پہنچتا ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو آپ کو کافی محتاط رہنا چاہئے۔"

"لیکن میں کس طرح بچ سکوں گا۔" کیپٹن اشرف بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"غالباً یہ رومال میرا ہے۔" دفعتاً بیگم عارف نے کہا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"یہ رومال....!"

"اوہ....!" فریدی اس طرح چونک کر رومال کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے متعلق بھول ہی گیا ہو۔ "جی ہاں یہ مجھے آپ کے پائیں باغ میں پڑا ملا تھا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟"

نصیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ رومال فریدی سے لیا۔

"اشرف صاحب۔" فریدی اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔ "اگر آپ کو بھی کبھی اس قسم کا خط

موصول ہو تو مجھ تک پہنچنے میں تاخیر نہ کیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔"

"اور آپ....!" فریدی بیگم نواز سے مخاطب ہوا۔ "مجھے دولت گنج والی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہیں باہر جانا چاہتی ہیں۔"

"خیال تو تھا۔"

"شوق سے جاسکتی ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میں غیر ضروری پابندیوں کا قائل نہیں ہوں۔"

"اب میں نے خود ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"آپ کی خوشی۔" فریدی نے کہا۔

نصیر عالیہ کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

فریدی نے ان دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی پیالی کی چائے ختم کرنے لگا۔ پھر وہ ڈاکٹر قدیر کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیس بہت پیچیدہ ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جناب اگر پیچیدہ نہ سمجھتا تو آپ کے پاس کیوں دوڑا جاتا۔" قدیر نے کہا۔

"اب اس ملازم رفیق کا معاملہ رہ جاتا ہے۔"

"مجھے تو یہ حرکت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ کرنل صاحب کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھا۔

"خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جس نوکر پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ دخیل ہو ہی جاتا ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ حادثہ سے قبل والی رات کو دونوں میں کچھ تکرار ہوئی تھی۔"

"تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی تھی۔"

"یعنی....!"

"دو شہروں کے ناموں پر بحث ہوتے ہوئے تکرار ہوگئی تھی اور کرنل صاحب نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا تھا۔"

"کون سے شہر....!"

"غالباً افریقہ کے تھے۔"

"نام....!"

"صرف ایک کا یاد رہ گیا ہے ممباسہ۔"

فریدی کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

آسمانی شکار

پیلی کوٹھی سے واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی بڑی مصیبت میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کون لڑکی....!" حمید چونک کر بولا۔

"وہی جس کی مسکراہٹ تمہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"اوہو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ واقعی اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔"

"اے خدا....!" حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ "اس پتھر کے پگھلنے پر میں تیری خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

فریدی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی اور مسکرا کر بولا۔ "یار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس سے محبت شروع کر دوں۔"

"بھی کا کیا مطلب" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھے اتنا دل پھینک کیوں سمجھتے ہیں۔"

"تم خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تینوں اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خصوصاً نصیر اس معاملے میں زیادہ نامعقول معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے اتنی جلدی اس کا اندازہ کیسے لگالیا۔"

"اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وجدان کی تربیت سمجھ لو۔"

"ماریئے گولی۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "وہ گوشت میں دھواں.... آخر کچھ تو بتایئے نا۔"

"تم نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"ہاں....!"

"کوئی خاص بات۔"

"بھئی جو کچھ بھی ہو خود ہی بتاڈالئے۔ ورنہ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل کے پیر کے تلے میں ایک زخم تھا اور وہ ننگے پیر دوڑا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس زخم کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اُس زخم پر دھوئیں کا نشان پایا گیا تھا اور اسی اشارے نے مجھے پچھلی رات جاگ کر گذارنے پر مجبور کردیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور پھر اُس نے دفعتاً اپنی کار دوبارہ پیلی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔

"یعنی....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں شام بڑی خوشگوار ہے اور میں پھر ایک بار اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اُلو نہ بنایئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خیر میں فی الحال صرف ان سنگریزوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہاں تو وہ سنگریزے۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "تم نے کبھی سفید رنگ کے وہ سنگریزے دیکھے ہیں جو مچھلی کے سر سے نکلتے ہیں۔"

"دیکھے ہیں۔" حمید کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔ اُسے فریدی کی پہیلیاں بجھوانے والے انداز سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

"یہ سنگریزے بھی ایک قسم کی مچھلی کے سر میں پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تو آج تک نہ کہیں پڑھا اور نہ کہیں سنا۔" حمید بے اعتباری کے لہجے میں بولا۔

"تم نے پڑھا ہی کیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم ایشیا یا دنیا کی جغرافیائی سوسائٹیوں کی ان کتابوں کا حوالہ دوگے، جو آج سے بیس برس قبل شائع ہوئی تھیں۔"

"خیر یہی سہی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ مچھلی کم از کم اپنی طرف تو پائی نہ جاتی ہوگی۔"

"بہت کمیاب ہے۔ اپنی طرف تو خیر پائی ہی نہیں جاتی۔ ابھی چند ایک دریائے کانگو اور دریائے آمیزن میں ملی ہیں۔ لیکن کانگو کے جنگلات کے وحشی باشندے اُسے عرصہ سے بطور زہر استعمال کرتے آئے ہیں۔ وہ اپنے تیروں اور نیزوں کو اس کے خون میں بجھا کر زہریلا بناتے ہیں۔"

"آپ کو اس کے متعلق کہاں سے اطلاعات ملیں۔" حمید نے پوچھا۔

"معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے محض پرانا ذخیرہ کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اس مچھلی کے متعلق عالمی جغرافیائی سوسائٹی کے ایک سہ ماہی رسالے میں پڑھا تھا اور پچھلی رات کو اُسے تلاش کرنے میں میرے کئی گھنٹے صرف ہوگئے۔"

اس مچھلی کا نام کیا ہے۔

"جغرافیائی سوسائٹی نے اُسے (Poisonia) پوائزونیا کا نام دیا ہے۔ کانگو بیسن والے اسے فلامی کہتے ہیں۔ دریائے آمیزن کے کنارے بسنے والے جنگلی قبائل میں یہ ولاچا کے نام سے مشہور ہے۔

"لیکن یک بیک آپ کا ذہن اس مچھلی کی طرف کیوں منتقل ہو گیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل کے زخم پر پائے جانے والے دھوئیں کے نشان نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان سنگریزوں کا اثر آناً فاناً پورے جسم میں پھیل جاتا ہے، لیکن یہ صرف کھال اترے ہوئے گوشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر تم اُس سنگریزے کو چٹکی میں پکڑلو تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوگا لیکن اگر تمہاری انگلی میں خفیف سا بھی زخم ہے تو سنگریزے لگتے ہی اُس میں سے دھواں نکلنے لگے گا اور دیکھتے دیکھتے تمہاری نامعلوم بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ بھی جانتا تھا کرنل نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی گذرا ہے بیگم نواز نے کیا کہا تھا۔"

"میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم اس وقت اس لڑکی مین دلچسپی لے رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رفیق اور کرنل میں افریقہ کے دو شہروں کے ناموں کے سلسلے میں بحث ہو گئی تھی اور کرنل نے اُسے سخت وسست بھی کہا تھا۔"

"بھلا اس سے اور آپ کی باتوں سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ رفیق بھی شاید اُس زمانے میں اسی کے ساتھ تھا، جب اس کا قیام افریقہ میں تھا۔"

"اور آپ اب اس وقت ان لوگوں سے بھی دریافت کرنے کیلئے پھر واپس جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے باقاعدہ طور پر عشق کرنے لگو۔"

"میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔

اور فریدی مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

فریدی کی کار پیلی کوٹھی کے پھاٹک پر رک گئی۔ فریدی اور حمید اندر جانے لگے۔ پھاٹک سے کچھ دور ہٹ کر لان پر نصیر اور کیپٹن اشرف نظر آئے، جو اونچی آواز میں جھگڑ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر یک بیک خاموش ہوگئے۔ اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا میں نے پھر تکلیف دی۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" کیپٹن اشرف نے شدید غصہ کے باوجود بھی مسکرانے کی کوشش کی اور اس کا چہرہ کچھ عجیب سا معلوم ہونے لگا۔

"میں ڈاکٹر قدیر سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں ابھی بھیجتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نصیر تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ رومال آپ کو کس جگہ ملا تھا۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں ملا تھا جن میں سلیم صاحب کو وہ عجیب وغریب سوّر دکھائی دیا تھا۔"

"یہ رومال پچھلے ایک ہفتہ سے میرے پاس رہا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"لیکن آپکی والدہ.... خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے مجھے دلچسپی ہو سکے۔" فریدی بولا۔

"لیکن اس گھر کا کوئی فرد آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کرے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ان میں سے کوئی مجھے ان معاملات میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" نصیر نے مجنونانہ انداز میں کہا۔ "اور ان دونوں موتوں کو میرے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔"

"نفرت کی وجہ۔"

نصیر اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے اُس نے اُسے گالی دے دی ہو۔

"انہیں سے پوچھئے نفرت کی وجہ۔ لیکن میں اس وقت تک اس گھر سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ عالیہ نہ چلی جائے۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے آپ کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" نصیر نے پوچھا۔

"میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ شہر کے مشہور بیرسٹر مسٹر عارف کے صاحبزادے ہیں۔"

"اور ایک آوارہ لڑکا بھی۔" نصیر منہ بنا کر بولا۔

"یہ آپ کا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا اشرف نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا ہوں اور محض اس بناء پر میں نے کرنل صاحب کو پُراسرار طریقے پر مار ڈالا کہ انہوں نے ایک بار میری اس حرکت پر ڈانٹا تھا اور سلیم ماموں کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔"

"نہیں! مجھے کسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا کوئی فرد کھلم کھلا یہ ساری باتیں کہہ رہا ہے۔"

"اشرف کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔" نصیر بولا۔

"نہیں وہ صاف صاف اپنے شبہے کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... لیکن....!"

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

سامنے ڈاکٹر قدیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ نصیر خاموش ہو گیا۔

"اچھا مسٹر نصیر پھر کبھی.... میں آپ کا شکر گذار ہوں۔" فریدی نے کہا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف بڑھ گیا۔

"دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"اوہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" قدیر ہنس کر بولا۔ "فرمائیے۔"

"ایک ضروری بات۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ تینوں ٹہلتے ہوئے پھاٹک تک آئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر قدیر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا رفیق اس دوران میں کرنل کے ساتھ ہی تھا جب وہ استوائی خطوں کا سفر کر رہے

تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہی ان کی چیزوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر قدیر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا پہلے ہی سے پروگرام تھا کہ صبح کے گئے شام کو واپس آئیں گے۔"

"کب کی بات کر رہے ہیں۔"

"جس دن کرنل صاحب کو حادثہ پیش آیا تھا۔"

"ہاں میرا یہی پروگرام تھا۔" قدیر نے کہا۔ "کرنل صاحب کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

"اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز نہ جانے دیتے۔ یہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا کہ وہ کچھ جھلی قسم کے آدمی تھے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کرنل صاحب کے علاوہ گھر کے سب افراد کو آپ کے پروگرام کا علم تھا۔"

"جی ہاں!" قدیر نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "کیا آپ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "گھر والوں کی معلومات سے کوئی باہری بھی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اچھا ایک بار پھر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید دل ہی دل میں جھنجھلا رہا تھا کہ آخر اتنی ذرا سی بات کے لئے دوبارہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔

فریدی قدیر سے مصافحہ کر کے جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ دفعتاً کئی پرندے ان پر آگرے اور پھر زمین پر گر کر پھڑ پھڑانے لگے۔ فریدی چونک کر اوپر دیکھنے لگا۔

دھند میں لپٹی ہوئی فضا میں بگلوں کی ایک قطار پرواز کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ اور بھی قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اُن کے قریب آگرے۔ وہ تھوڑی دیر تک تڑپتے رہے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کل شام کو بھی یہی ہوا تھا۔" ڈاکٹر قدیر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل شام کو بھی کچھ پرندے اسی طرح یہاں گرے تھے۔"

"یہاں کے علاوہ بھی کہیں سے اس قسم کی کوئی اطلاع آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو نہیں آئی تھی۔"

"فریدی قطعی خاموش رہا۔ اس نے جھک کر ایک مردہ پرندہ اٹھایا اور اُسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

کیپٹن اشرف اور عالیہ بھی آگئے۔

"کہئے انسپکٹر صاحب چل دیئے۔" اشرف نے کہا اور پھر اس کی نظر فریدی کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پرندے پر پڑی۔ زمین پر پڑے ہوئے مردہ پرندے بھی دکھائی دیئے۔ "ارے آج پھر...." وہ چونک کر بولا۔ "پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔"

"میرے خیال سے۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی وبا آنے والی ہے۔ کیوں ڈاکٹر۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو کہیں اور بھی گرتے۔" اشرف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کہیں اور بھی گریں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور حمید بے تعلقی سے الگ کھڑا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ عالیہ بھی فریدی سے ہاتھ ملا رہی ہے تو اس نے بھی آگے بڑھ کر پر جوش انداز میں ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کیا۔ پھر اشرف سے پھر وہ عالیہ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے بیگم نواز نے پورٹیکو سے آواز دی اور وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر ادھر چل دی۔ حمید بُری طرح جھینپا اور بوکھلاہٹ میں پھر ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کرنے لگا۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولا۔ "قدیر صاحب اب تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی آیئے۔ دو چار بالکل نئی قسم کے کتے آئے ہیں۔ آپ اس فاکس ٹیریئر کو یقیناً پسند

کریں گے جس کے جسم پر گلہریوں کی سی دھاریاں ہیں۔"

"ضرور آؤں گا۔" قدیر بولا۔

فریدی نے مردہ پرندے کو پچھلی نشست پر ڈال دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اُلو کہیں کے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پرندے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مر گئے بیچارے۔" فریدی گلوگیر آواز میں بولا۔ "اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ اس پر سے یہ ستم کہ عالیہ....!"

فریدی نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ حمید ہلڑ مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔

حمید بھی خاموش ہو گیا۔ یہ کیس کچھ عجیب پُر اسرار صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا ان پرندوں کی موت کا بھی انہیں حادثات سے کوئی تعلق ہے، جو پیلی کوٹھی والوں کو پیش آئے۔

گھر پہنچ کر فریدی نے مردہ پرندے کو اٹھانے کے لئے پچھلی نشست پر ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ خالی معلوم ہوئی۔ اس نے چونک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔ مردہ پرندے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اور وہ دونوں حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مشتبہ نوکر

دوسرے روز کے اخبارات میں حمید نے پیلی کوٹھی کے متعلق بڑی حیرت انگیز باتیں دیکھیں۔ سارے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا تھا۔ اُس عجیب و غریب جانور کے متعلق بھی کافی حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ جانور بارہ بجے رات سے پانچ بجے صبح تک کوٹھی کے پھاٹک پر بیٹھا رہتا تھا۔ ایک اخبار نے اس خبر پر "مردہ پرندوں کی بارش" کی سرخی جمائی تھی اور خبر میں لکھا تھا کہ پیلی کوٹھی میں پچھلی رات شام کو آسمان سے اتنے

مردہ پرندے گرے کہ پائیں باغ میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہی۔

حمید نے سارے اخبارات فریدی کے سامنے رکھ دیئے اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"بھئی اپنے یہاں کی صحافت انہیں غپوں کی بناء پر قائم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جب بلیا اور غازی پور کی سرحد پر پانچ چھ ہزار مردہ سانپ پائے گئے تھے۔"

"نہیں۔"

"وہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ بلیا اور غازی پور کی سرحد پر ہزاروں مردہ سانپ پائے گئے ہیں۔ دوسرے دن ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں دوسرا واقعہ ہے۔ مہابھارت کے موقعے پر بھی اسی طرح ایک جنگل میں لاکھوں مرے ہوئے سانپ پائے گئے تھے۔ کافی عرصہ تک اسی موضوع پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن ایک صاحب کا بیان شائع ہوا۔ وہ دراصل سانپ کی کھالوں کے ایجنٹ تھے۔ اتفاق سے انہیں ایک ساتھ پچیس تیس سانپ مل گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کھالیں اتروالیں اور انہیں شاہراہ پر پھینکوا دیا اور پھر وہ پچیس تیس سانپ لاکھوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کا ناطہ مہابھارت سے جوڑ دیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید پر خیال انداز میں بولا۔ "میں بھی اسے غپ سمجھتا ہوں۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جتنی بھی حقیقت ہے حیرت انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ ایسے عجیب و غریب کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ابھی تک میری دلچسپی کی کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی۔"

"یعنی جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ غیر دلچسپ ہے۔"

"تم جیسی بچوں کے لئے تو ضرور دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس قسم کی ہاتھ کی صفائیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ دیکھو میاں یہ عام لوگوں کو اُلو بنانے کا ایک سستا سا نسخہ ہے۔"

"آخر آپ کسی نتیجے پر پہنچے یا نہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عالیہ واقعی بہت حسین ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میں

تین تو کیا بیک وقت دس آدمی بھی دلچسپی لیں تو مجھے حیرت نہ ہوگی۔"

حمید مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آج کل خالص گھی بھی نہیں ملتا ورنہ میں چراغ ضرور جلاتا۔ خدا بڑی قدرت والا ہے۔ اگر چاہے تو ریت کے بادل بنا کر ان سے پانی برسائے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"ڈاکٹر قدیر کا فون تھا۔" حمید نے واپس آکر کہا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"پیلی کوٹھی کے قریب لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں اور قدیر وغیرہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اخبارات نے غلط خبریں چھاپی ہیں لیکن مجمع کسی طرح ہٹتا ہی نہیں، مجبوراً انہوں نے دولت گنج کے تھانے سے پولیس بلوائی ہے۔"

"اور وہ ننھا منا سا بچہ اپنے کارناموں پر خوش ہو رہا ہوگا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"یہ میں ابھی نہیں جانتا۔ لیکن .. بچہ ہے۔ انتہائی ناتجربہ کار اور جلد باز۔ کرنل کو تو اس نے بڑے سلیقے سے ختم کیا۔ لیکن سلیم کے سلسلے میں اس سے ناتجربہ کاری ہی والی حرکت سرزد ہوئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اسے کوئی ایسی جگہ منتخب کرنی چاہئے تھی، جہاں کانٹے ہوتے۔ اس طرح وہ بہ آسانی لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا۔ عقیق البحر میں تو خیر کانٹے ہوتے ہی نہیں اور اس جھاڑی میں بھی کوئی کانٹے دار پودا نہیں دکھائی دیا۔"

حمید خاموش ہو گیا لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ پرندہ کار سے کس طرح غائب ہو گیا۔"

"بھوت رہا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر آپ مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"جب خود میری سمجھ میں صاف صاف آجائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ صاف بنا کر پیش

کر دوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ انہیں لوگوں میں سے کسی پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تم ایسا کہتے وقت شاید بھول جاتے ہو کہ کرنل کا ایک نوکر بھی غائب ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کبھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔" حمید نے پھر فریدی کی نقل کی۔

"بھلا پیر و مرشد کیوں۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ رفیق نے کرنل کو ہیروں کے لئے مارا ہوگا، اور وہ انہیں لے بھی گیا۔ پھر آخر سلیم کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے یہ خیال تھا کہ سلیم کچھ جانتا ہے تو اُسے بھی کرنل کے بعد ہی ختم کر دیتا۔ دو تین دن انتظار نہ کرتا اور پھر دوسری بات یہ کہ جب اس نے کرنل کو اتنے پُراسرار طریقے پر ختم کیا تھا تو غائب کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بچت ہی کے لئے اتنا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔"

"شاباش....!" فریدی اُس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "واقعی تم نرے بدھو ہی نہیں ہو۔"

"جناب والا! اگر میں نہ ہوتا تو کوئی آپ کا نام تک نہ جانتا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اب کی بار وہ واپس آیا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"رفیق مل گیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اتنی لاپروائی سے کہا کہ حمید جھنجھلا گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی اچھل پڑے گا۔

"دولت گنج کے پولیس اسٹیشن پر آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"خیر بھئی چلیں گے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ناشتہ۔"

"آخر آپ اتنی لاپروائی کیوں برت رہے ہیں۔"

"حمید صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ کاہل ہو جاؤں۔"

"تو آج کل آپ موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی، جو مجھے موڈ میں لاسکے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا مردہ پرندوں کی بارش سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھیوں کی بارش ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"بھئی اُسے تو میں ابھی تک بھی نہیں سمجھ سکا۔" فریدی بولا۔ "لیکن حمید صاحب اس بار آپ بہت چاک وچوبند نظر آرہے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیس ہی ایسا ہے۔"

"لیکن اس بار تو تم نے ایک مرتبہ بھی بھوتوں کا خوف نہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش بھی ہو رہی ہے اور وہ بھی صرف پیلی کوٹھی ہی میں ورنہ اُسے کسی قسم کی وبا بھی سمجھا سکتا تھا۔"

"کیا آپ مجھے ڈرپوک سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"لیکن حمید صاحب اب آپ عالیہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں ہی اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہا ہوں۔"

"حمید صاحب بکواس بند۔ اب ہم ناشتہ کریں گے۔"

"ضرور ناشتہ کیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ میں تو یہ رائے دوں گا کہ ایک داشتہ اور ایک باقاعدہ بیوی کیجئے۔"

"شٹ اپ....!"

"اے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بیوی کے نام سے اس طرح لجاتے ہیں، جیسے ابھی چلو ہٹو کہہ کر آنچل سے منہ چھپالیں گے۔"

"یار خدا کے لئے زنخوں کی طرح مٹکامت کر، ورنہ کسی دن چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"اچھا اچھا جلدی کیجئے۔" حمید نے پھر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دولت گنج کی طرف روانہ ہوگئے۔ فریدی راستے میں خاموش ہی رہا۔ حمید نے کئی بار اُسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیکھ رہا تھا۔

رفیق کو ابھی تک حوالات میں نہیں بند کیا گیا تھا۔ وہ سب انسپکٹر کی کرسی کے قریب زانوؤں میں سر دیئے زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف بھی موجود تھے۔ شاید وہ رفیق کی شناخت کے لئے بلائے گئے تھے۔ فریدی کے پہنچتے ہی ڈاکٹر قدیر نے ان لوگوں کی شکایات شروع کردیں، جو پیلی کوٹھی کے گرد جمع ہوگئے تھے۔

"کہاں ملا....!" فریدی نے سب انسپکٹر سے سوال کیا۔

"بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور حمید کو بے اختیار ہنسی آگئی کیونکہ اس کے سامنے ایک ایسا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو شاید اس وقت دو قدم بھی نہ چل سکتا۔ رفیق ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر مختصر سی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے اور جھریوں سے پر تھے۔ آنکھوں میں کبرسنی کی وجہ سے دھندلاہٹ آگئی تھی۔

"اب خود ہی سن لیجئے گا وہ داستان الف لیلیٰ۔ میں کیا بتاؤں۔" سب انسپکٹر فریدی سے کہہ رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک غور سے رفیق کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کردی اور جب وہ اس کی روپوشی کی وجہ دریافت کرنے لگا تو رفیق بے اختیار رو پڑا۔

"میں ایک اندھے کنوئیں میں قید تھا۔" اس نے کہا۔

سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے قید کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں کرنل صاحب کے پیچھے دوڑا تھا۔ کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں.... پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک گڑھے میں پایا۔ دوسرے دن صبح روشنی میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک کنواں ہے۔"

"پھر تم کس طرح نکلے۔"

"کل رات میری چیخ و پکار سن کر کسی راہگیر نے نکالا۔"

"کس طرح نکالا۔"

"رسی پھینکی تھی اُس نے جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔"

"وہ کنواں دکھا سکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ پیلی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں۔"

"کیوں صاحب۔" فریدی ڈاکٹر قدیر کی طرف مڑا۔ "کوئی اندھا کنواں ہے وہاں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" رفیق بولا۔ "وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اتنی گنجان جھاڑیاں کہ خدا کی پناہ اور کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ اس لئے اُدھر جانے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرتا۔"

"تو کیا تم نے کل رات ہی کو غل مچایا تھا۔"

"چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"تو تمہیں کل رات کو اس کنوئیں سے نکالا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"تو تم رات ہی کیوں نہیں حاضر ہوئے۔"

"یہ داروغہ جی سے پوچھئے کہ میں یہاں کس حال میں لایا گیا ہوں۔"

فریدی کے استفسار پر سب انسپکٹر نے بتایا کہ وہ آج صبح ایک کھیت میں بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔

"اس راہ گیر نے تمہیں کھیت میں ڈال دیا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے رسی کی مدد سے نکالا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس عمر میں اتنے دنوں تک بغیر کھائے پیئے زندہ کیونکر رہے۔"

رفیق نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکچا رہا ہے۔

"کیا اسے کرنل اور سلیم کی موت کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے سب انسپکٹر سے

پوچھا۔

"ہاں....!"

"خیر.... حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر رفیق سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا بتاؤں....!" رفیق نحیف آواز میں بولا۔ "اب جب کہ مجھ پر کرنل صاحب اور ان کے بھائی کو مار ڈالنے کا شبہ کیا جا رہا ہے میری ہر بات سے مکاری ظاہر ہو گی۔"

"اس کا فیصلہ تم عدالت پر چھوڑ دو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے تکلف کہو۔"

"اس کنوئیں میں روزانہ حلوہ پھینکا جاتا تھا اور پانی سے بھری ہوئی بوتلیں بھی۔"

"دیکھا آپ نے۔" اُس نے فریدی سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ الف لیلیٰ کی ایک داستان سنائے گا۔"

"حضور آپ اس کنوئیں میں اب بھی خالی بوتلیں اور وہ رومال دیکھ سکتے ہیں جن میں باندھ کر حلوہ پھینکا جاتا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔ کوئی بھی یقین نہیں کر سکے گا۔" رفیق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے.... خیر.... ہاں تو تمہارے مالک ننگے پاؤں بھاگے کیوں تھے اور انہوں نے فائر کس پر کیا تھا۔"

"ہونہہ....!" رفیق ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے ہیں جس کے اظہار پر شاید پاگل خانے بھجوا دیا جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں! ہمیں وہ کنواں بھی دیکھنا ہے۔" پھر رفیق سے کہنے لگا۔ "تم بھی چلو۔"

فریدی نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔

"کوئی آدمی ساتھ کر دوں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اسے واپس لاتا ہوں۔"

پھر اس نے ڈاکٹر قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔
"ڈاکٹر صاحب! آپ اس کی ضمانت لے رہے ہیں۔ بوڑھا آدمی ہے۔ حوالات میں مر جائے گا۔" فریدی نے کہا۔
"تو کیا واقعی آپ اُسے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" قدیر کے لہجے میں حیرت تھی۔
"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" فریدی بولا۔ "میں اپنے پرانے تعلقات کی بناء پر آپ سے یہ استدعا کر رہا ہوں۔"
"ضرور ضرور! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آج ہی ضمانت کیلئے درخواست دے دوں گا۔"

اندھا کنواں

"میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔" رفیق فریدی کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو پڑا۔
"نہیں نہیں بھائی یہ کیا کرتے ہو۔" فریدی اپنے پیر ہٹا کر اسے سیدھا بٹھاتا ہوا بولا۔ اُس نے اسے اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔ حمید پچھلی نشست پر تھا۔
فریدی نے رفیق کے بتائے ہوئے راستے پر کار لگا دی۔
"ہاں تو میں نے تم سے کرنل کی بدحواسی کی وجہ پوچھی تھی۔" فریدی نے کہا۔
رفیق کے ہونٹ ہلے اور ایک ہزیانی قسم کی ٹرٹراہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو۔ پھر یک بیک چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔
"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن جو کچھ میرے علم میں ہے بتانے کی کوشش کروں گا۔"
وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کہاں سے شروع کروں۔"
"تم یہ بھول جاؤ کہ پولیس والے کو بیان دے رہے ہو۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔
"وہ ایک عجیب و غریب جانور کے پیچھے دوڑے تھے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اگر میں آپ

کو اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤں تو آپ بے تحاشہ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"
"نہیں میں مضحکہ نہیں اڑاؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "شائد میں بھی اس سؤر سے واقف ہوں جس کے جسم پر چیتے کی سی دھاریاں ہیں اور جس کا سر.....!"
"آپ جانتے ہیں۔" رفیق فریدی کا بازو پکڑ کر پرجوش انداز میں بولا۔
"تو تم نے بھی اُس جانور کو دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔
"میں نے اندھیرے میں کوئی جانور دیکھا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہی تھا۔ بہر حال کرنل صاحب اس کے پیچھے دوڑے تھے۔"
"لیکن تم نے تو ابھی یہ کہا تھا کہ اگر میں اس جانور کے متعلق بتاؤں گا تو آپ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"
"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کرنل صاحب کو اُسی جانور کی توقع تھی۔"
"کیوں توقع کیوں تھی۔"
"انہیں تین چار دن قبل ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس پر اُسی جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس میں انہیں غالباً جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔"
"تم نے وہ خط دیکھا تھا۔"
"جی ہاں کرنل صاحب مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ اس سے قبل بھی ہمارا سابقہ اس جانور اور اُس کے مالک سے پڑ چکا تھا۔"
"یعنی.....!"
"میں اب داستان کے اسی حصے کی طرف آرہا ہوں، جسے سن کر تھانے دار صاحب نے الف لیلیٰ والی پھبتی کہی تھی۔"
"تم کافی پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔
"پڑھا لکھا خاک بھی نہیں۔ بس آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت میں رہ کر بولنے کا سلیقہ آ گیا ہے۔"
حمید آگے سرک آیا۔
"یہ غالباً ۲۸ء کی بات ہے۔ کرنل صاحب کی پارٹی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھیلنے کے

لئے موباسہ اتری تھی۔ ان کے ساتھ کئی انگریز بھی تھے۔ ان میں کچھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ میں کرنل صاحب کے ہمراہ تھا۔ وہیں اُس پُر اسرار آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی جو اس عجیب و غریب جانور کا مالک تھا۔ وہ تھا تو یوروپین ہی نسل کا آدمی لیکن اس کا رہن سن بالکل وہاں کے مقامی باشندوں کا سا تھا۔ اس کی شکل مجھے آج بھی یاد ہے۔ اتنا خوفناک آدمی اُس کے علاوہ پھر کبھی میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس کے دونوں شانے اس کے سر سے کچھ ہی نیچے رہے ہوں گے۔ اُن کے درمیان میں اس کا سر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا جیسے کسی ٹوکری میں بڑا سا تربوز رکھا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں یوں تو مریضوں کی سی نقاہت ظاہر ہوتی تھی لیکن حقیقتاً اس کی طاقت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ وہاں کے مقامی باشندے اُسے جادوگر سمجھ کر اُس سے خائف رہتے تھے۔"

رفیق کھانسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "مقامی باشندے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے قبضے میں خبیث روحیں ہیں اور وہ اس عجیب و غریب جانور کو بھی کوئی خبیث روح ہی سمجھتے تھے جو اس کے پیچھے پالتو کتوں کی طرح چلا کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ کے انگریز اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُسے اکثر مدعو کرتے تھے۔ موباسہ میں ہم نے آبادی کے باہر قیام کیا تھا۔ یہ کرنل صاحب کی تجویز تھی، ورنہ دوسرے ساتھی تو کسی ہوٹل میں قیام کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم خیموں میں مقیم تھے وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جہاں ڈاگی ٹاہ رہتا تھا۔"

"ڈاگی ٹاہ کون۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی پراسرار آدمی۔ اُسے وہاں کے باشندے ڈاگی ٹاہ کہتے تھے، جو غالباً ڈاکٹر کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ ہاں میں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ایک انگریز ڈاکٹر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں تو.... وہ تقریباً ہر روز ہمارے کیمپ میں آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم بھی اس سے خوف محسوس کرنے لگے۔ اس کی موجودگی میں کم از کم مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ انسان کی شکل میں ہمارے پاس آبیٹھا ہو۔ خصوصاً ہمارے ساتھ کی عورتیں تو اس سے بہت زیادہ خائف رہا کرتی تھیں۔ اب سنئے اصل واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ایک رات ہم کھانا کھانے کے بعد کرنل واٹسن کے خیمے میں جمع تھے اور دوسرے دن کے شکار پر بحث ہو رہی تھی کہ ہم نے کسی عورت کی چیخ سنی۔ عورتیں سب دوسرے خیمے میں تھیں۔ دفعتاً انہوں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ ہم سب گھبرا کر باہر نکل آئے۔

وہ سب ڈاگی ٹاہ' ڈاگی ٹاہ چیخ رہی تھیں۔ کسی عورت نے جس کے اوسان بجا تھے ہمیں بتایا کہ ڈاگی ٹاہ کرنل واٹسن کی چودہ سال لڑکی لوسی کو اٹھالے گیا۔ ہم سب نے جلدی جلدی رائفلیں اور ٹارچیں اٹھائیں۔ عورت نے ڈاگی ٹاہ کے فرار کی سمت بتائی اور ہم اسی طرف بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ بدحواسی میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے جو بھی جہاں تھا ڈاگی ٹاہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک میرے کرنل صاحب اس تک پہنچ ہی گئے۔ لڑکی خوف کے مارے بیہوش ہو گئی تھی اور وہ شیطان ڈاگی ٹاہ اپنا منہ کالا کرنے ہی جا رہا تھا کہ کرنل صاحب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے شک نہیں کہ وہ کرنل صاحب سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن کرنل صاحب نے نہ جانے کس طرح اُسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

رفیق کو پھر کھانسی آگئی۔ فریدی بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔

"اور پھر....!" رفیق تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ افریقہ کے دوران قیام میں برابر ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ اُس نے کئی بار میرے کرنل صاحب پر چھپ کر حملے بھی کئے۔ لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کئی خطوط میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ اُن خطوط پر بھی اس کے اس خبیث جانور کی تصویر بنی رہتی تھی، اور پھر جب اُس دن کرنل صاحب کو پھر اسی قسم کا خط ملا تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آخر عمر میں دل و دماغ میں کمزوری آ ہی جاتی ہے۔"

"تو کیا افریقہ سے واپس آنے کے بعد بھی انہیں خطوط ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے قبل کے خطوط افریقہ ہی کے دوران قیام میں ملے تھے۔"

"گھر والے بھی اس واقعے سے واقف رہے ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... گھر والے تو کیا پورے ملک میں میرے سوا اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔"

"کیوں....!"

"نہ جانے کیا بات تھی کہ کرنل صاحب نے نہ تو خود ہی کسی سے اس کا تذکرہ کیا اور نہ مجھے ہی کرنے دیا۔"

"وجہ تو بتائی ہوگی۔"

"نہیں اس کی وجہ نہیں بتائی۔"

"تو تم وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ گھر کا کوئی فرد اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔"

"مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔"

"آخر تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو۔"

"اگر انہوں نے کسی کو بتایا ہوتا تو اس سے اس خط کا بھی تذکرہ کرتے جو انہیں اس دن ملا تھا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"کرنل صاحب اپنے جواہرات کہاں رکھتے تھے۔"

"اُنکے سونے کے کمرے میں ٹھیک ان کے سرہانے ایک تجوری ہے۔ اُسی میں رکھتے تھے۔"

"لیکن وہ غائب ہیں۔"

"ارے....!" رفیق بے اختیار اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ ان کا علم بھی میرے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔"

"تجوری بالکل خالی ملی ہے۔"

"اور کاغذات....!" رفیق نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"کاغذات بھی نہیں تھے۔"

"افسوس اس میں کئی اہم دستاویز بھی تھیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ لاکھوں روپے ڈوب گئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ پُر اسرار آدمی یہاں آ گیا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس پُر اسرار آدمی کی اس وقت کیا عمر رہی ہو گی۔"

"تقریباً ساٹھ سال۔"

"ہوں....!" فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو لاپروائی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق پھر کھانسنے لگا۔

رفیق نے کھانستے کھانستے ایک طرف اشارہ کیا اور فریدی نے کار روک دی۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے پیلی کوٹھی تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھی اور اس کی پشت کا حصہ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں کار سے اترے، چاروں طرف جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رفیق کچھ سوچنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کنواں کس جگہ ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے آپ سے بتایا تا کہ میں باہر نکلنے کے بعد زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہا تھا۔"

"تو پھر تم نے اس جگہ کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا جبکہ رات بھی اندھیری تھی۔"

"وہ پیپل کا درخت۔" رفیق نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔ "اکثر پوجا پاٹھ کرنے والی عورتیں اس پر چراغ چڑھا جاتی ہیں۔ میں نے اسی سے جگہ کا اندازہ لگایا تھا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ میں اس سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جدھر درخت دکھائی دیا تھا۔"

حمید کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی لیکن فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

رفیق تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً ایک طرف چلنے لگا۔ فریدی اور حمید اُسی جگہ کھڑے رہے۔ کچھ دور چل کر رفیق رک گیا۔ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فریدی کو آواز دی۔

"میرے خیال میں وہ جگہ یہی ہے۔" اس نے کانٹے دار جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"صرف خیال ہی خیال ہے یا....!"

رفیق نے اپنے کرتے کا دامن اٹھایا جس کا ایک کونہ تھوڑا سا غائب تھا اور آہستہ سے بولا۔

"یہ یہیں کہیں الجھ کر پھٹا تھا.... وہ دیکھئے.... اس طرف آجایئے۔ یہ رہا۔"

جھاڑیوں میں ایک جگہ ویسی ہی دھاریوں والا تھوڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا جیسا رفیق نے کرتا پہن رکھا تھا۔ فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

"حمید! کار سے واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"پھر واکنگ اسٹک۔" حمید بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"وہ خط کیا ہوا تھا جو کرنل کو موصول ہوا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"وہ بھی اسی تجوری میں بند تھا۔"

حمید واکنگ اسٹک لے کر واپس آ گیا۔ فریدی اس سے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر اندر گھس رہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ دیکھتا رہا پھر دفعتاً حمید اور رفیق کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید نے اُسے آواز دی، لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ وہ جگہ جہاں وہ غائب ہوا تھا زیادہ دور نہ تھی۔ بمشکل تمام تیس یا چالیس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔ حمید اُسے پے در پے آواز دیتا رہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر رفیق کی طرف پلٹ پڑا۔

"او بوڑھے! میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔"

"رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔"

"بولو....!" حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"حضور میں کیا...." رفیق ہانپ رہا تھا۔

حمید اُسے گھسیٹتا ہوا کار کی طرف لے گیا۔

"حضور....!" رفیق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"حضور کے بچے۔" حمید نے اُسے اندر دھکیل کر کھڑکیوں کے تالے بند کر دیئے اور انجن کو بھی مقفل کرنے کے بعد جھاڑیوں کی طرف چل دیا۔

وہ فریدی کو آواز دیتا ہوا کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر جھاڑیوں میں گھس رہا تھا۔

اور پھر وہ اگر اچانک سنبھل نہ جاتا تو وہ خود بھی اس اندھے کنوئیں میں جا پڑا ہوتا۔

کنوئیں کی تہہ میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ نیچے اندھیرا ہونے کی وجہ سے صورت صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے پھر آواز دی۔

"کیوں مرے جا رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فریدی تہہ تک پہنچا کس طرح۔ کیا بے خیالی میں گر گیا؟ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنے اطمینان سے اُسے جواب کس طرح دیتا۔

حمید جھک کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر ساری حقیقت روشن ہوگئی۔ کنواں پختہ تھا۔ اوپر سے نیچے تک اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ کگاریں اتنی چوڑی اور قریب قریب تھیں کہ کوئی بھی بہ آسانی تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی۔ "اسے نگرانی میں رکھو۔"

حمید پھر کار کے قریب آگیا۔ اُسے اپنے رویئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ رفیق کی آنکھیں ابھی

تک بھیگی ہوئی تھیں۔ حمید نے کھڑکیوں کے تالے کھول کر اُسے باہر نکالا۔

"صاحب ملے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی کنوئیں سے کیوں نہیں نکل آئے تھے۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ اُس کنوئیں کو دیکھ کر یہی سوال کریں گے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔

"اوپر سے دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس میں اتر سکتا ہے اور نیچے سے اوپر آسکتا ہے۔ مگر شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ نچلی کگار بہت اونچی ہے اور مجھ جیسے بوڑھے....!"

فریدی کے قہقہے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ چپ چاپ ان کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

"واقعی نچلی کگار تک پہنچنا تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔" اس نے یک بیک سنجیدہ ہو کر کہا۔ "مگر اُس کنوئیں میں نہ وہ رومال ملے اور نہ وہ خالی بوتلیں۔"

رفیق کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ ہلے، لیکن وہ صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں شاید آج رات تک اور قید میں رہنا پڑے۔ کل ضمانت ہو جائے گی اور ہاں ضمانت کے بعد جاؤ گے کہاں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ پیلی کوٹھی کے علاوہ میرا کوئی گھر نہیں تھا اور اب وہاں سب مجھ پر شبہہ کر رہے ہیں۔"

"خیر تم عدالت ہی میں رک کر میرا انتظار کرنا۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

پھر زہر

ایک ہفتہ گذر گیا۔ فریدی خلاف معمول بہت زیادہ خاموش تھا۔ وہ اس کیس کے متعلق بہت کم گفتگو کرتا تھا اور حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے تہیہ کیا کہ وہ خود ہی فریدی سے الگ تھلگ تحقیقات شروع کر دے گا۔ سب سے زیادہ بیتابی اُسے اس بات کی تھی کہ وہ کسی طرح اُن پرندوں کی موت کے متعلق معلوم کر لے۔ فریدی نے رفیق کو کیوں حوالات سے نکلوایا تھا۔ یہ چیز ابھی تک اس کیلئے معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اُسے اپنے ایک دوست کے یہاں ٹھہرا

دیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کیا تھا جیسے اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رفیق کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں تھا۔ بعض اوقات فریدی اصل مجرموں سے بھی دیدہ و دانستہ اپنی بے تعلقی ظاہر کرتا تھا جیسے وہ یا تو بے گناہ ہوں یا بالکل ہی معصوم۔

دوسری طرف وہ نصیر سے دوستی بڑھا رہا تھا۔ پیلی کوٹھی میں آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور وہاں کے سارے افراد اس سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا سچ مچ فریدی کو عالیہ پسند آگئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا خیال تھا جس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے الفاظ میں عورت پروف کے نام سے یاد کرتا تھا۔ حمید نے ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ فریدی پیلی کوٹھی جاتے وقت عموماً اُسے نظر انداز کر جاتا تھا۔

حمید اس وقت گھر میں تنہا تھا۔ فریدی دفتر سے آنے کے بعد ناشتہ کر کے فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ آج تو خصوصاً اس کے رویئے پر اُسے بڑا تاؤ آیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جانِ درویش۔ آج تو اس نے اس کے اس سوال کا جواب تک نہیں دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے کوٹ کے کالر میں بڑا سا گلاب کا پھول لگا رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک حمید اس گلاب کے پھول کے متعلق غور کرتا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس کا ذہن پیلی کوٹھی کی طرف گھوم گیا جہاں پچھلی شام کو بھی کچھ مردہ پرندے گرے تھے۔ وہ شروع ہی سے اُن کے متعلق سوچتا آیا تھا۔ کرنل اور اس کے بھائی کی پُراسرار موت نے اُس کے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کوئی آسیبی خلل ہے کیونکہ انہیں ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ اس پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا اس نے عرصہ ہوا ان پرندوں کے متعلق ایک تدبیر سوجھی تھی لیکن اسے آج تک عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا۔

اس کی کاہلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فریدی بعض اوقات اُسے سچ مچ مکھیاں ہی مارنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ جب ضرورت سمجھی کام لیا ورنہ پڑے پڑے باتیں بنایا کرو۔

حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کاندھے پر شکار کا تھیلا اور رائفل لٹکائی اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر پیلی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دولت گنج پہنچ کر اُس نے موٹر سائیکل راجروپ نگر والی سڑک کی طرف موڑ دی کیونکہ وہ پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی تھی۔ لیکن دن بھر کی جھلسی ہوئی زمین ابھی تک تپ رہی تھی۔

پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں چھپا دی اور خود ایک اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔ گنجان ٹہنیوں کے درمیان اس نے ایک ایسی مضبوط شاخ تلاش کر لی جس پر وہ کچھ دیر تک بیٹھ سکے۔ درخت کافی اونچا تھا اور جہاں حمید بیٹھا تھا وہاں سے پیلی کوٹھی کا پائیں باغ صاف نظر آرہا تھا۔

ایک بڑی سی میز کے گرد کئی آدمی بیٹھے تھے۔ حمید نے شکار کے تھیلے سے دوربین نکالی اور اس کا فوکس ٹھیک کر کے پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چائے دانیاں اور فواکہات رکھے ہوئے تھے اور وہاں نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ فریدی بھی تھا۔ وہ ٹھیک عالیہ کے سامنے بیٹھا ہاتھ ہلا ہلا کر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پائیں باغ کی طرف سے بے تعلق ہو کر آسمان میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کی کئی قطاریں گزر گئیں لیکن ان میں سے ایک بھی مر کر نیچے نہ گرا۔ حمید مایوس ہو گیا۔ اُسے اپنی اس حماقت پر تاؤ آ گیا۔ آخر کیا تک ہے۔ خواہ مخواہ بندروں کی طرح درخت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کاندھے سے رائفل اتار کر پیلی کوٹھی کے پائیں باغ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دے۔

دفعتاً پرندوں کی ایک قطار پھر گزری اور ان میں سے کئی لہرا کر قطار سے الگ ہو گئے۔ پھر وہ قلابازیاں کھاتے اور اپنے پر پھڑپھڑاتے نیچے کی طرف جانے لگے۔ حمید نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں پرندوں کی گزرتی ہوئی قطاروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ ایک آدھ پرندے اب بھی گر رہے تھے۔

حمید نے جلدی جلدی ایک بار پھر دوربین کا فوکس ٹھیک کیا اور گردن کچھ اونچی کر کے دیکھنے لگا۔ دو تین پرندے اور گرے۔

بہرحال اس نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے متعلق اخذ کئے ہوئے نتیجے پر قطعی مطمئن تھا۔

پھر اُس نے دوربین کا رخ پائیں باغ کی طرف پھیر دیا۔ وہ سب گرے ہوئے پرندوں کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے لیکن فریدی ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھا تھا۔ خود حمید کو پہلے ہی سے اتنی حیرت تھی کہ وہ اس پر مزید حیرت کا اضافہ کرنا فضول سمجھنے لگا۔

لیکن وہ انہیں ضرور متحیر کرنا چاہتا تھا۔ ذہن میں شرارت کے کیڑے کلبلا اٹھے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے رائفل سیدھی کی، پیلی کوٹھی پر سے گذرتے ہوئے پرندوں کی قطار پر فائر کر دیا۔ ایک گرا اس نے جلدی میں یہ تک دیکھنا ضروری نہ سمجھا کہ پیلی کوٹھی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے، بس اس نے پھرتی سے رائفل کاندھے پر ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔ اچانک اس کی نظریں پیلی کوٹھی کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ وہاں سے پچھواڑے کی طرف آرہے تھے۔ حمید پھر اوپر چڑھ گیا۔ غنیمت یہی تھا کہ درخت کافی گنجان تھا لیکن حمید مطمئن نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والوں میں فریدی ضرور ہوگا۔ ایسی صورت میں آسانی سے بچ نکلنا معجزات میں سے ہو سکتا تھا۔

شفق کے رنگ گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ سارا جنگل دھند میں لپٹا جا رہا تھا۔ حمید ٹھیک اپنے نیچے لوگوں کے بولنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ فریدی کہیں دور سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر سر مارنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کسی کی آہٹ کا منتظر رہا لیکن جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔

لیکن نیچے آکر جیسے ہی اُس نے اُن جھاڑیوں میں قدم رکھا جہاں موٹر سائیکل چھپائی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

قرب و جوار کی ساری جھاڑیاں چھان ماریں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سوچنے لگا کہ لے جانے والا اس سے زیادہ چالاک تھا۔ کیونکہ وہ اسے جھاڑیوں سے نکال کر کافی دور تک کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔ پھر اسٹارٹ کر کے رفوچکر ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا کہ پیلی کوٹھی جائے۔ شاید فریدی وہاں موجود ہو لیکن پھر رائفل اور شکار کے تھیلے کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

دولت گنج تک پیدل آنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ شہر پہنچ کر موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادے گا۔ وہ موٹر سائیکل اسے سرکاری طور پر ملی تھی اس لئے اُسے اور زیادہ الجھن تھی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کر لیا کہ فریدی گھر میں موجود ہے۔ اس لئے اس نے رائفل اور تھیلا چپ چاپ سائیڈ کے کمرے میں رکھ دیئے۔

فریدی اندرونی برآمدے میں آرام کرسی پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ حمید نے چپ چاپ اوپری منزل میں نکل جانا چاہا۔

"ذرا ادھر تشریف لایئے۔" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"فرمایئے۔" حمید رک کر مڑا۔ اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"قریب آؤ....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"کیسی حرکت....؟"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں۔"

"تم نے درخت پر سے گولی کیوں چلائی تھی۔"

حمید بوکھلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید فریدی نے اُسے دیکھ لیا تھا۔

"میری خوشی۔ میں اس کیس کی تفتیش الگ سے کر رہا ہوں۔"

"درخت پر چڑھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جس طرح مجھے آسانی ہوگی کروں گا۔"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہوا برا نہیں ہوا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یک بیک تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا اور پھر ذرہ برابر بھی احتیاط نہیں برت سکتے۔ حالانکہ تم نے واپسی میں بہت دور جا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی۔ لیکن پھر بھی.... انہوں نے دولت گنج کے تھانے میں رپورٹ درج کرادی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم موٹر سائیکل کے ٹائر بدل ڈالو۔ چلو یہ کام ابھی کئے لیتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"مگر.... مگر....!" حمید ہکلایا۔

"کیا....؟" فریدی دروازے کی طرف جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو آؤ....!"

"بات کیا ہے....!"

"کیا بات ہے۔"

"ٹھہریئے تو....!"

"ارے تو بول نا بابا۔"

"موٹر سائیکل کوئی اڑا لے گیا۔"

"کیا....؟" فریدی غصے میں پلٹا۔ "میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"آپ میرا قیمہ کر دیجئے۔ اب غلطی تو ہو ہی گئی۔"

"تو تمہیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا کان پکڑو۔"

حمید نے کان پکڑ لئے۔

"مرغ کی بولی بولو۔"

"یہاں نہیں....!" حمید ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"آہستہ سے بولو۔"

"ککڑوں کوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شاباش....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "موٹر سائیکل گیرج میں موجود ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں انہیں باتوں میں نہ بہلاتا تو انہیں موٹر سائیکل مل گئی ہوتی۔"

"لیکن آپ نے زبردست غلطی کی۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں اندھیرے میں آپ کو گولی مار دیتا تو۔"

"آپ....!" فریدی نے اس کے منہ کے سامنے ہاتھ نچا کر کہا۔ "آپ میں اتنی صلاحیت

ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"میں دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "اگر آپ نے اسی جگہ اسٹارٹ کی ہوتی تو دیکھتا۔"

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تمہاری اس حرکت سے فائدہ ہی پہنچنے کی امید ہے۔ ورنہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہنٹر ہوتا اور تم خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی طاقت کا رعب ڈالا کرتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کبھی.... او.... او.... اف۔" حمید جملہ نہیں کرپایا تھا کہ فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ہاں کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے بولا۔

"ارے ارے خدا کی قسم میں ابھی مر جاؤں گا۔" حمید غصیلی آواز میں بولا اور فریدی نے ہنس کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا گردن سہلاتا رہا پھر بولا۔

"سچ کہتا ہوں کہ آپ کی یہ ساری درندگی کافور ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ شادی کر لیں۔"

"ضرور کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ کوئی پتھر یا فولاد کی عورت مل جائے۔"

"تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں۔" حمید نے احمد ندیم قاسمی کا مصرعہ پڑھ دیا۔

"خدا کی قسم بڑا پیارا شعر کہا ہے ندیم نے۔" فریدی نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوجوں گا
تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ حمید بول پڑا۔

"ان مردہ پرندوں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اسی لئے درخت پر چڑھے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ تو روشن ضمیر ہیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"روشن ضمیر تو نہیں لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"خیر میں فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم کچھ بتانے کے لئے بیتاب ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "وہ کسی قسم کے زہریلے پتنگے کھا کر مر جاتے ہیں۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید کا خون کھول کر رہ گیا۔ کیونکہ اس نے دوربین کے ذریعے صاف دیکھا تھا کہ پرندے فضا میں اڑتے ہوئے پتنگوں کو کھا کھا کر نیچے گر رہے تھے۔

"برخوردار انسان کے علاوہ اور سارے حیوانات میں ایک خاص قسم کی حس ہوتی ہے جس کے ذریعے انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز ان کے لئے بے ضرر اور کون سی مہلک ہے۔ انسان میں بھی وہ حس موجود ہے لیکن دوسری شکل میں ہم اُسے حس نہیں بلکہ ادراک کہتے ہیں۔"

"آپ کا فلسفہ نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان پتنگوں کو بے ضرر ثابت کر سکتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے غلط دیکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں تقریباً چیخ پڑا۔

"میں کہتا ہوں کہ وہ پتنگے بذات خود زہریلے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ ان کی قسم قطعی بے ضرر ہے۔ وہ پیدائشی زہریلے نہیں۔"

"پھر....!"

"اُن کے پیروں کو زہریلا بنایا گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

آخری حملہ

تھوڑی دیر کے لئے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔ پھر آخر حمید ہی نے خاموشی توڑ دی۔

"تو آپ اُن کے متعلق پہلے ہی سے جانتے تھے۔"

"پہلے سے اگر تمہاری مراد زیادہ دن ہیں تو میں بھی تمہاری ہی طرح اندھیرے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بات مجھے کل معلوم ہوئی ہے۔ میں نے بھی وہی درخت استعمال کیا تھا جس پر

تم آج تھے، لیکن تم نے اُن پتنگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔"

"ٹھکانہ....!" حمید پھر چونک پڑا۔

"ہاں.... وہ جگہ جہاں سے پتنگے برآمد ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "میں ان کی خاصی بڑی تعداد پکڑ لایا ہوں۔ اگر تم کو میرے بیان پر اب بھی شبہ ہو تو میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی اسے اس کمرے میں لایا جہاں اس نے سانپ پال رکھے تھے۔ اس نے ایک بریکٹ سے جالی کا ایک صندوق اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں ٹڈیوں کی شکل کے بے شمار پتنگے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

فریدی نے چمٹی سے پکڑ کر ایک پتنگا نکالا اور اُسے ایک سانپ کے آگے ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ پتنگا سنبھل کر اڑنے کی کوشش کرتا سانپ منہ مار کر اُسے چٹ کر گیا۔

پھر انہیں زیادہ دیر تک نتیجے کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ سانپ نے پہلے تو زمین پر سر رکھ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اتنے زور سے اچھلا کہ وہ دونوں چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک تڑپتے رہنے کے بعد وہ سرد ہو گیا۔

پھر فریدی نے دوسرا پتنگا نکالا اور اُس کے پر توڑ دیئے۔ وہ دوسرے سانپ کے آگے ڈالا گیا۔ تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے باوجود بھی حمید نے اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائی۔

"تمہاری بے یقینی کی وجہ سے میرے ایک سانپ کا خون ہو گیا۔" فریدی نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے مرغ یا کبوتر کا خون ہو گیا ہو۔"

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔"

"ضرور چھیڑوں گا۔" حمید نے کہا۔ "میں کہتا ہوں آخر یہ سب کباڑ خانہ یہاں سے کب ہٹے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید دراصل غیر متعلق باتیں کر کے اپنی جھینپ مٹانا چاہتا تھا۔

"لوگ آپ کو خبطی کہنے لگے ہیں۔" حمید پھر بولا۔ "میں نے تو آج تک کسی سنجیدہ اور باہوش آدمی کو سانپ پالتے نہیں دیکھا۔"

"طوطا پالتے دیکھا ہے آپ نے۔" فریدی بولا۔

دیکھا ہے.... پھر....!"

"وہ دودھ دیتا ہے یا اس کے انڈے کھائے جاتے ہیں۔"

"خوبصورت پرندہ ہے۔"

"مجھے سانپ خوبصورت لگتے ہیں۔"

"ارے صاحب خدا کرے آپ کو مینڈک اور کچھوے بھی خوبصورت لگیں میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

"فضول باتوں میں اپنی اس وقت کی شرمندگی چھپانے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"بکومت۔" فریدی نے کہا اور بیرونی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا خود بھی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

"حمید....!"

"فرمایئے۔"

"ادھر آؤ۔"

"آ گیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

"بیٹھ گیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"پاسپورٹ بنوا دیجئے۔"

"تم امریکی انداز میں سیٹی نہ بجایا کرو۔"

"آپ تو شاید میرے مرنے پر بھی تنقید سے باز نہ آئیں گے۔"

"اگر بدسلیقگی سے مرے تو اس کی توقع ضرور رکھو۔"

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آج کل بہت موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

"فرمایئے! آپ کا عشق کن منزلوں میں ہے۔" حمید تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

"اگر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا موضوع نہ سوجھے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھاٹک پر ایک کار آ کر رکی اور کوئی اتر کر پھاٹک میں داخل ہوا۔ رکھوالی کرنے والا السیشین بھونکنے لگا۔

"نیمو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

آنے والا کیپٹن اشرف تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"آیئے! آیئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "سب خیریت۔"

"خیریت کہاں.... اب میں۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دھم سے ایک کرسی میں گر گیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُس کی طرف جھپٹا۔

اشرف نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ حمید اسے لے کر احمقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بوکھلا کر فریدی کو دے دیا۔

"اوہ....!" فریدی لفافہ کھولتے ہی چونک پڑا۔ "تو آپ کی بھی باری آ گئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"وہی خط۔"

"ارے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب جانور کی تصویر دیکھتا رہا پھر لفافے پر کی تحریر پر نظریں جما دیں۔ اس پر کیپٹن اشرف کا نام لکھا ہوا تھا۔

"یہ خط آپ کو کب اور کس طرح ملا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل کھانا کھانے کے بعد جب میں اپنے سونے کے کمرے میں گیا یہ میرے تکیے پر رکھا ہوا تھا۔"

"ہوں....!" فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا کروں۔" اشرف مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ہمت کیجئے۔ آپ تو ملٹری کے آدمی ہیں۔"

”اگر آمنے سامنے کا مقابلہ ہوتا تو بات بھی تھی۔“ اشرف نے کہا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”میں نے گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ سیدھا آپ کے پاس چلا آیا۔“

”آپ نے اچھا کیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”رفیق کے بیان کے مطابق ہمارا مقابلہ ایک پراسرار شخصیت سے ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔“

”پھر بھی.... مجھے اندھیرے میں نہ رکھئے۔“

”وہ آپ کے چچا کا ایک بہت پرانا دشمن ہے۔“

”کون....!“

”افریقہ کا ایک پُر اسرار باشندہ۔“

”کچھ اور بھی بتایئے۔“

فریدی نے رفیق کا بیان دہرا دیا۔ اشرف خوفزدہ آواز میں ہنسنے لگا۔

”اول تو مجھے اُس جانور کے وجود پر ہی شبہ ہے اور اگر اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہوتی تو چچا جان مجھے ضرور بتاتے۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے بہتیرے کارنامے بتائے ہیں۔“

”ممکن ہے کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔“

”کسی نہ کسی سے تو ضرور کرتے۔“

”پھر آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔“

”رفیق اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کے اتنے نادر طریقے سوچ سکے۔“

”پھر....!“

”مجھے اس کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔“

”تو کیا وہ پُر اسرار آدمی یہاں آ گیا ہے۔“

”میں اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔“

”خیر وہ ہو یا نہ ہو۔“ اشرف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”یہ بتایئے کہ اب میں کیا کروں۔“

”احتیاط برتیئے۔“

”کیا چچا صاحب نے احتیاط نہ برتی ہوگی۔ والد صاحب بھی کافی محتاط تھے۔ مگر۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”میں پیلی کوٹھی کی نگرانی کیلئے دس بارہ کانسٹیبل بھجوا دوں گا۔ ان میں سے دو آپکے کمرے کے سامنے رہیں گے۔“

”کیا یہ احتیاط مجھے بچا لے گی۔“ اشرف کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

”مسٹر اشرف ہمت کیجئے۔“ فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ ”میں ابھی فون پر ایس۔ پی کی اجازت لے کر آپ کے یہاں کانسٹیبل بھجواتا ہوں اور میں خود بھی غافل نہ رہوں گا۔“

اشرف کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایس۔ پی کو فون کر کے اجازت حاصل کر لی۔

”آپ بے فکر رہئے۔“

اشرف جانے کے لئے اٹھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے دونوں سے مصافحہ کیا اور برآمدے سے اتر گیا۔ السیشین پھر بھونکا اور فریدی نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ پھر کوئی گرا۔ انجن کی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

السیشین بھونکتا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا۔ فریدی اور حمید بھی بڑھے۔

اور پھر انہوں نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ اشرف کی کار کی اگلی نشست کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر اندر تھے اور آدھا دھڑ نیچے زمین پر تھا۔ ہاتھ پھیل گئے تھے۔

کار کا انجن شور مچا رہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیا۔

سڑک بالکل سنسان تھی۔ پھر فریدی نے السیشین کا پٹہ پکڑ کر اُسے پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

فریدی کے سارے نوکر بھی اکٹھا ہو گئے تھے۔

اشرف گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ فریدی نے کار کے اندر نظر ڈالی۔ بریکوں کے پاس ایک انجکشن لگانے والی سرنج پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا۔ اُس میں کوئی سیال

شے بھری ہوئی تھی۔

اشرف کو سڑک سے اٹھا کر اندر لایا گیا۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر کی بھی کوٹھی تھی۔ فریدی نے اُسے فون کیا اور وہ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اشرف کی طرف، جو ابھی تک گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"صرف بیہوشی۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ بیہوشی محض خوف کا نتیجہ ہے۔"

فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر اشرف کو ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔

"یعنی بالکل ہمارے سر پر۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میرا خیال ہے کہ اگر السیشین اس کی چیخ سن کر دوڑا نہ ہوتا تو وہ اپنا کام کر ہی گیا تھا۔" حمید پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی پرخیال انداز مین بولا۔ اس کی نظریں اشرف پر جمی ہوئی تھیں جس میں اب ہوش کے کچھ کچھ آثار پیدا ہو چلے تھے۔ پھر اُس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور وہ یک بیک اٹھ بیٹھا۔

"میں بھی مرا.... ہائے۔" وہ پھر دھڑ سے لیٹ گیا۔

"آپ بچ گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

اشرف اس طرح فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔

"آپ واقعی بچ گئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

اشرف پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ دبا رہا تھا۔

"لیکن یہ واقعہ پیش کس طرح آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... میں۔" اشرف رک رک کر بولا۔ "میرا ہاتھ گیئرز پر تھا کہ کوئی تیز چیز چبھی۔" اس نے اپنا ہاتھ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے ایک جگہ انگلی رکھ کر اُس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"یہیں....!" اشرف نے سر ہلا دیا۔

"میرے ذہن میں میرے باپ کی موت گونج اٹھی۔" اشرف آہستہ سے بولا۔ "پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن.... اب میں۔" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں خود آپ کو اس وقت واپس جانے کی اجازت نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اشرف کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب کو بھی کچھ دنوں کے لئے یہیں بلا لوں۔"

فریدی کے اس جملے پر حمید کے خیالات کی رو عالیہ کی طرف بہک گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی سچ مچ عالیہ کو پسند کرنے لگا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اُن سب کو یہاں بلانے کا ارادہ کیوں ظاہر کرتا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دھمکی صرف کرنل اور اس کے وارثوں کے لئے تھی۔ کرنل کا آخری وارث حملے کے باوجود بھی بچ گیا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی اتنی حفاظت کیا معنی رکھتی تھی۔ ہاں اشرف کی موت کے بعد پھر ڈاکٹر قدیر وارث ہو سکتا تھا۔ مگر جب تک اشرف زندہ ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں.... پھر؟

حمید کا ذہن عالیہ کے علاوہ اس الجھن کا کوئی جواز نہ پیش کر سکا۔

"ان لوگوں کو۔" اشرف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میرے خیال سے انہیں تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"شائد آپ وہ آج شام والا فائر بھول گئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! مجھے اپنی پریشانی میں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔"

"اُس فائر سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دشمن کسی وقت کھل کر بھی سامنے آسکتا ہے۔"

حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ فریدی جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اور پھر اس وقت اس فائر کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی پیلی کوٹھی والوں کو فون کر رہا تھا۔ "ہیلو! ڈاکٹر قدیر! میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیپٹن اشرف کو ایک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ لیکن وہ بالکل بخیریت ہیں۔ کوئی گھبرانے

کی بات نہیں۔ آج رات وہ میرے مہمان رہیں گے.... نہیں نہیں واقعی وہ بخیریت ہیں.... اگر کہیئے تو خود ان کو فون پر بلاؤں.... خیر.... بھئی میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ سب کچھ دنوں کے لئے یہاں آجایئے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سب بہت خطرناک پوزیشن میں ہیں۔"

وہ مجرم

دوسرے دن بھی فریدی نے اشرف کو نہ جانے دیا۔ حمید الجھن میں تھا کہ آخر فریدی نے اشرف کو اس سیریج کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اس کے پوچھنے پر فریدی نے صرف یہ بتایا کہ وہ اسے اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دن دوپہر کو اشرف کو بخار ہوگیا اور شام تک پیلی کوٹھی کے سارے افراد فریدی کی کوٹھی میں اکٹھا ہوگئے۔ ان کے وہاں قیام کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر قدیر کے علاوہ اور سب متفق تھے اور وہ آخیر تک اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر طے یہ پایا کہ قدیر پیلی کوٹھی ہی میں رہے گا۔ فریدی نے اس کے علاوہ اور سب کا انتظام کردیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹر قدیر کی ضد پر متردد نظر آرہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے بہت زیادہ اصرار نہیں کیا۔

اُس کی تاکید تھی کہ کوئی گھر سے باہر نہ جائے۔ نصیر نے اس پر بڑی واویلا مچائی۔

"آخر کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔ "اگر دو چار دن گھر ہی پر رہ جاؤ گے تو کونسی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"میں بغیر پیئے نہیں رہ سکتا۔"

"بہت بُری عادت ڈال لی ہے تم نے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہارا یہ عذر لنگ بھی باقی نہ رہنے دوں گا۔"

وہ اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا اور دیواروں پر مصوری کے نادر نمونے نظر آرہے تھے۔ فرش پر بہترین قسم کا ایرانی قالین تھا۔

فریدی ایک الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہوگیا۔ نیچے سے اوپر تک عمدہ قسم کی شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔

"گڈ لارڈ....!" نصیر تحیر آمیز آواز میں بولا۔ پھر فریدی کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ "آپ بہت اونچی شرابیں پیتے ہیں۔"

"میں نہ اونچی پیتا ہوں نہ نیچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ صرف ان مہمانوں کے لئے ہیں جو اس سے شوق کرتے ہیں۔"

"آپ بہت گریٹ آدمی ہیں۔" نصیر فریدی کا شانہ دبا کر بولا۔

"لیکن پی کر ہلڑ نہیں مچاؤ گے۔" فریدی نے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "پیئو اور وہ سامنے کوچ ہے چپ چاپ سُو رہو۔ کیا سمجھے، ورنہ میرے خطرناک کتے تمہیں نوچ کھائیں گے۔"

بیگم عارف، بیگم نواز اور عالیہ فریدی کی کوٹھی دیکھتی پھر رہی تھیں۔ حمید ان کے ساتھ تھا۔

سانپوں والے کمرے کے قریب سے گذرتے وقت حمید نے کہا۔

"اس میں فریدی صاحب کے بعض رشتے دار رہتے ہیں۔"

"اس کمرے میں۔" عالیہ بولی۔

"ہاں آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"آپ نے کہا بعض رشتے دار.... کیا کئی ہیں۔"

"کئی نہیں درجنوں۔"

"بھلا اتنے سے کمرے میں۔"

"اگر یقین نہ ہو تو اس کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لیجئے۔"

عالیہ کھڑکی کے قریب آگئی اور پھر چیخ کر لوٹ پڑی۔

"سانپ....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

دونوں عورتیں بھی بڑھیں لیکن انہیں بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

کمرے کے اندر فرش پر کئی بڑے بڑے سیاہ رنگ کے سانپ رینگ رہے تھے۔

"یہ گھر نہیں مداری کا جھولا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"لیکن سانپ کیوں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"بس شوق ہی تو ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن گھبرایئے نہیں۔ کمرے کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ باہر نہیں آسکتے۔"

"تیس چالیس تو کتے ہی ہوں گے۔" بیگم عارف نے بیگم نواز سے کہا۔

"کتے تو خیر سبھی پالتے ہیں، لیکن سانپ۔" عالیہ بولی۔ "انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"خود فریدی صاحب۔"

وہاں سے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ عجائبات کے کمرے میں وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک رہے۔

"اور وہ اپنی دولت اسی طرح برباد کر رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کہیں ان کے سامنے یہی جملہ نہ دہرا دیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ اپنی دانست میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کرتے۔" بیگم عارف نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بار انہیں ایک نجومی نے بتایا کہ تمہاری دو شادیاں ہوں گی۔ جھلا کر بولے میں ایک بھی نہ کروں گا۔ تب سے اب تک اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور میں اس نجومی کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....!" عالیہ بولی۔

"تاکہ میں اس بات پر کسی طرح اسے راضی کروں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔"

عورتیں ہنسنے لگیں۔

"نہیں واقعی کیوں نہیں شادی کرتے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"اگر کسی لڑکی سے آپ کو دشمنی ہو تو پھر میں کوشش کروں۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ کوئی شامت زدہ ہی فریدی صاحب کی تقدیر سے ٹکرائے گا۔"

"ارے اُسے یہ سارے کتے، سانپ بچھو اور بلاؤ نوچ نہ کھائیں گے۔"

عالیہ ہنسنے لگی۔

"اور آپ.... آپ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" بیگم عارف نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہی ہی۔" حمید نے شرمانے کی بڑی عمدہ ایکٹنگ کی۔

وہ لوگ ایک اور کمرے کے قریب سے گذرے اور بیگم عارف چونک پڑی۔ اس کا لڑکا نصیر ایک میز کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

حمید نے سوچا کہ وقت بڑے مزے میں کٹ جائے گا۔ فریدی نے اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر پر رہے گا۔

حمید عالیہ وغیرہ کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں نصیر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ نیم وا آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید کی ہتھیلی کھجلانے لگی۔

"آیئے آیئے.... پیارے بھائی۔" وہ نشے میں بڑبڑایا۔

حمید اسکے قریب بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر بوتل اٹھا کر دیکھی جو خالی تھی۔

"اور چاہئے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں پیارے بھائی۔" وہ رک رک کر بولا۔ "فر.... فر.... فدائی صاحب نے کہا تھا.... سو جانا۔"

"واہ یار نرے اناڑی معلوم ہوتے ہو۔" حمید ہنس کر بولا۔ "سوگئے تو پھر پینے کا مزہ ہی کیا۔ نہیں اور پیئو۔"

اس نے الماری سے دوسری بوتل نکالی اور میز پر رکھ دی۔

نصیر پھر پینے لگا۔

"یار وہ تمہاری محبوبہ! ابھی اشرف کے کمرے میں تھی۔"

"کون عالیہ....!" نصیر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں....!"

"میں دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔"

"اب اس وقت جانے دو۔ وہ اس کے سر میں تیل لگا رہی ہے۔"

"خدا کی قسم مار ڈالوں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"نہیں یار بری بات ہے۔" حمید نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہو گی سالی بوری بات۔ تم ہٹ جاؤ۔"

"جانے بھی دو صبر کرو۔ واقعی تم پر ظلم ہو رہا ہے۔"

"مجھ پر ظولم۔ ہائے مجھ پر ظولم۔ پیارے بھائی۔" وہ حمید کی گردن سے لپٹ گیا اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ "ظولم.... ہائے ظولم۔"

"صبر کرو.... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دو تین تھپکیاں دے کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر جانے لگا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ اس لئے حمید مطمئن تھا۔

نصیر آگے تھا اور حمید پیچھے.... جیسے ہی وہ کاریڈر کے سرے پر مڑے سامنے سے اشرف آتا دکھائی دیا اور حمید جھپٹ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔

نصیر نے اشرف کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اشرف نے اُسے پرے جھٹک دیا۔

"یہ کیا بیہودگی۔" وہ گرج کر بولا۔

"ہائیں یہ بیہودگی ہے.... تیل مالش ہوتی ہے.... مَیں صبر کروں گا.... صبر کا پھل.... صبر کا پھل.... کیا ہوتا ہے.... پیارے بھائی۔" اس نے حمید کو آواز دی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" اشرف اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "دوسرے کے گھر میں بھی وہی حرکتیں۔"

"یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ ہائے.... ہائے.... تیل مالش.... تیل مالش.... بوٹ پالش.... آلو چھولے.... آج کا تازہ اخبار.... خستہ کراری گزک۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"بارہ مسالے کی چاٹ.... چرچرا کے ٹوٹی کھاٹ.... فرنچ لے.... لے.... لپ۔"

اشرف نے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی اور حمید بھی نکل آیا۔

"ذرا میری مدد کیجئے۔" اشرف ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھے سخت شرمندگی ہے۔"

"سس.... سالے.... تیل مالش....!" نصیر نے اشرف کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔

اشرف نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

اشرف قابل تعریف حد تک اس کی حرکتوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اُس نے اس دوران کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جسے انتقامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا۔ اس کا انداز پندگانہ تھا۔

پھر حمید اور اشرف نے مل کر اُسے مہمان خانے کے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا۔

حمید کو بڑا لطف آ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ کہیں بات بڑھ کر فریدی تک نہ جا پہنچے۔ اس لئے اس نے زیادہ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

دوسرے دن صبح تک وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ پچھلی رات کو

کافی دیر تک متعدد قسم کے دلچسپ مشاغل جاری رہے تھے۔ پھر گیارہ بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دوسرے دن فریدی نے ڈاکٹر قدیر کو فون کیا اور اس سے استدعا کی کہ وہ رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھائے۔

"آخر یہ قدیر بھی کیوں نہیں آ گیا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ڈرپوک آدمی نہیں ہے۔" یہ فریدی کا مختصر جواب تھا۔

رات کو سب کھانے کے کمرے میں اکٹھا تھے اور ڈاکٹر قدیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ نصیر اس وقت بھی نشے میں تھا لیکن نہ جانے کیوں فریدی کی موجودگی میں بہت زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔ اگر کبھی کسی بات پر بے تحاشہ ہنستا بھی تو قہقہے کو ذرا دبائے ہوئے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آواز کو زیادہ بلند ہونے سے روک رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدیر بھی آ گیا۔ وہ پندرہ منٹ دیر سے پہنچنے پر معذرت طلب کر رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں زیادہ تر تفریحی باتیں ہوتی رہیں۔ حمید نے لطیفے شروع کر دیئے تھے۔ عالیہ دل کھول کر ہنس رہی تھی اور نصیر دانت پیس رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کبھی کبھی ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف عالیہ سے گفتگو کرنے لگتے تھے وہ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نصیر دوسری طرف ٹھیک اس کے سامنے تھا۔

کھانے کے بعد وہ سب تمباکو نوشی کے کمرے میں کافی کا انتظار کرنے لگے۔

ڈاکٹر قدیر نے اشرف پر حملے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ وہ فریدی سے حملے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔

"طریقہ وہی تھا جس کا اظہار میں بہت پہلے کر چکا ہوں۔ زہر کا انجکشن....!"

اشرف بے اختیار چونک پڑا۔

"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" فریدی بولا۔ "پھر اس نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔"

"یہ اشرف صاحب کی کار میں پائی گئی تھی اور ایک سریع الاثر زہر سے لبریز تھی۔"

قدیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ سرنج فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ شاید میری ہی ہے۔" قدیر نے لاپروائی سے کہا اور سرنج فریدی کو واپس کر دی۔

سب لوگ چونک کر قدیر کو دیکھنے لگے۔ صرف فریدی کا چہرہ استعجاب کے اظہار سے عاری تھا۔

"مجھے اسی کی توقع تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اتنے میں کافی آگئی لیکن ان میں سے کوئی بھی کافی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

سب کی نظریں قدیر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ کافی پیجئے نا۔" فریدی نے کہا۔ "ڈاکٹر قدیر کی سرنج ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقتاً مجرم ہیں۔"

فریدی نے صرف عالیہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی اور وہ ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے انہیں پھنسانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔" اشرف نے کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر جھک کر کافی لانے والے نوکر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ نوکر سر ہلا کر چلا گیا۔

وہ سب اپنی پیالیوں میں کافی انڈیل رہے تھے۔

"عالیہ صاحبہ نے غالباً اس گھر کو مداری کے جھولے سے تشبیہہ دی تھی۔" فریدی نوکر کے ہاتھ سے گوشت لیتا ہوا بولا۔

"جی نہیں! میں نے حمید صاحب کا جملہ دہرایا تھا۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہر حال میں آپ لوگوں کو ایک شعبدہ دکھانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے ڈبہ بھی لیتا آؤں۔ بڑے بڑے صاحب لوگ موجود ہیں۔"

سب ہنسنے لگے اور حمید تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی، لیکن اسے بہت دیر میں ہوش آیا۔ فریدی کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وحشت خیز چمک کا کیا مطلب ہے۔

اس نے اپنے کمرے میں آکر میز کی دراز سے پستول نکالا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر تمباکو کا ایک خالی ڈبہ لے کر تمباکو نوشی کے کمرے میں لوٹ آیا اور ڈبے کو میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "ہاتھ کی صفائی پیٹ کے لئے۔ جو جس کے جی میں آئے تماشے کے بعد ڈبے میں ڈال دے۔ ورنہ سخی کا بول بالا اور سوم کا منہ کالا۔"

ایک بار پھر قہقہہ پڑا اور حمید فریدی کو آنکھ مار کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خود اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور اس کی نظریں نصیر پر جمی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ایک ڈبیہ سے ایک سنگریزہ نکالا اور اسے چمٹی سے پکڑ کر سب کو دکھاتا ہوا بولا۔

"یہ آگ تو نہیں۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ وہ پھر بولا۔ "خوب غور سے دیکھ لیجئے۔"

پھر اس نے وہ سنگریزے گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر اوپر اٹھ کر بل کھانے لگی۔

"قدیر صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہی وہ سنگریزہ ہے جس نے کرنل کی جان لی تھی۔ اُن کے زخم پر جلنے کا نشان تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔"

"لیکن یہ ہے کیا بلا۔" ڈاکٹر قدیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"پوائزووینا مچھلی کے سر کا سنگریزہ۔"

"پوائزووینا مچھلی۔" اشرف نے دہرایا۔

"جی ہاں۔" فریدی لاپروائی سے بولا "اور پوائزووینا مچھلی کے متعلق انہیں بتانے لگا۔"

اس کے بعد اس نے کرنل کے متعلق وہ داستان چھیڑی جو اُسے رفیق سے معلوم ہوئی تھی۔

"کیا آپ میں سے کسی کو اس کا علم تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں....!" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"کیا آج یا کل اشرف صاحب نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

قبل اسکے کہ کوئی جواب دیتا اشرف خود ہی بول پڑا۔ "مجھے اس غپ پر یقین نہیں آیا تھا۔"

خیر بہر حال آپ نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ یہ اچھی عادت ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" فریدی بولتا رہا۔ "لیکن میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی بات کو سرے سے غپ ہی سمجھنے پر

مصر نہیں ہوتا۔ ہاں تو مومباسہ سے تحقیقات کرانے پر معلوم ہوا کہ وہاں اس قسم کا ایک آدمی موجود تھا۔ لیکن وہ تقریباً دس سال سے غائب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً ایک ایسا ہی عجیب و غریب جانور اپنے پاس رکھتا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مجرم بہت چالاک ہے اور زہروں کے متعلق اس کی معلومات اور استعمال کے طریقوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً پرندوں کی موتیں۔"

"پرندوں کی موتیں۔" سب بے اختیار چیخ پڑے۔

"جی ہاں.... ٹڈیوں کے شکل کے پتنگوں کے پروں کو زہر میں ڈبویا گیا اور وہ پرندے انہیں کھا کر.... ہاں تو اشرف صاحب اُس پراسرار آدمی کا وجود واہمہ نہیں تھا۔"

"لیکن چچا جان اس کا تذکرہ کسی سے تو کرتے۔" اشرف ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"پھر اس مجرم نے رفیق کو ایک کنوئیں میں قید رکھا۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر یک بیک عالیہ سے بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مجرم کون ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔ لیکن فریدی کسی اور طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ "میں نے تقریباً ایک سال کا ریکارڈ چھنوا ڈالا ہے، لیکن رفیق کے بتائے ہوئے حلئے کے کسی غیر ملکی کی آمد کا پتہ نہیں چلتا۔ مومباسہ کی پولیس کا خیال ہے کہ وہ ایک سیلانی آدمی تھا کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک انہیں فرداً فرداً گھورتے رہنے کے بعد مسکرا کر بولا۔ "بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ اس کی حرکت نہیں۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ڈاکٹر قدیر سے خاص طور پر پرخاش رکھتا ہے۔"

"کون ہے وہ۔ میں اس کا خون پی لوں گا۔" نصیر ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیپٹن اشرف تم سرنج کے معاملے میں دھوکا کھا گئے۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

یک بیک کافی کی میز الٹ گئی اور اشرف اچھل کر بھاگا۔

"خبردار....!" حمید نے ریوالور نکال لیا لیکن اشرف دروازے سے نکل چکا تھا۔

عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو! اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرا کر پرسکون لہجے میں بولا۔ "مہمانوں سے دھینگا مشتی نہیں کی جاتی۔"

دفعتاً باہر کتوں کے بھونکنے اور کسی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"اب جاؤ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "ورنہ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

بیگم عارف فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ حمید، قدیر اور نصیر باہر بھاگے۔

"مجرموں کو پکڑنا میرا فرض ہے۔" فریدی نے بیگم عارف سے کہا اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اشرف کو سنبھالے ہوئے اندر لائے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ حمید نے اسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔

"یہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔" فریدی تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "جس نے دولت کے لالچ میں باپ اور چچا کا خون کیا۔ عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر قدیر کو پھنسوانا چاہا۔"

"تم بار بار عالیہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔" بیگم نواز بگڑ کر بولی۔

"اس لئے کہ عالیہ بھی ڈاکٹر سے....!"

"فریدی صاحب۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ لیکن فریدی اپنا جملہ پورا کئے بغیر پھر اشرف سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے شروع میں نصیر کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اس لئے بیگم عارف کا رومال استعمال کیا تھا۔"

اشرف آرام کرسی پر پڑا ہانپتا رہا۔

"تم غلط کہتے ہو کہ تمہیں کرنل اور اُس پُراسرار آدمی کی لڑائی کا حال معلوم تھا۔ کیا تم نے کرنل کی زندگی ہی میں ان کی ڈائری نہیں چرائی تھی۔ کیا تمہیں اس ڈائری سے ان واقعات کا علم نہیں ہوا تھا۔ کل رات میں نے وہ ڈائری برآمد کرلی ہے۔ اشرف صاحب تم لوگوں کو یہاں رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اطمینان سے پیلی کوٹھی کی تلاشی لے سکوں۔ ڈاکٹر قدیر کا مسئلہ کلوروفارم نے حل کر دیا۔"

"کلوروفارم....!" ڈاکٹر قدیر چونک پڑا۔

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو سوتے میں بیہوش کیا تھا۔ ہاں تو اشرف .... اُس ڈائری پر سے بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے ہیں.... اور بتاؤں۔" فریدی نے ایک الماری کھول کر اس میں سے جوتوں کا ایک جوڑا نکالا اور مسکرا کر بولا۔ "اشرف صاحب کیا یہ جوتے آپ کے نہیں ہیں۔"

اشرف خاموش رہا اور فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "ان میں سے ایک جوتے کی ایڑی غائب ہے اور وہ مجھے اس کنوئیں کی ایک کگار پر ملی تھی، ایسے کاموں میں ربر سول کے جوتے مفید بھی ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ تمہیں ان کی ایڑیوں کی مضبوطی کا اندازہ پہلے ہی لگالینا چاہئے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے رفیق کو قید کر کے چھوڑ دینے کی اسکیم بنا کر اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح یقیناً پولیس چکر میں پڑجاتی اور اس پُر اسرار اجنبی کو پکڑنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جال ڈالتی اور کون کون سے کنوئیں کنگھالتی لیکن تمہارے ربر سول جوتوں کا بُرا ہوا۔ تمہیں وہ ڈائری بھی ضائع کر دینی چاہئے تھی اور آخری حماقت کم از کم میرے گھر سے دور رہ کر کرتے۔ ڈاکٹر قدیر کی سرنج ناحق استعمال کی تھی۔ اس طرح اگر اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ بھی ملتے تو میں اس راستے سے ہٹ جاتا جس پر تم نے پولیس کو لگانے کی کوشش کی تھی۔ پس تم ہوس میں مارے گئے۔ جلدی میں تم نے اس کا بھی خیال نہیں رکھا کہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ پڑنے پائیں۔ بہر حال کرنل کی دولت تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ڈاکٹر قدیر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔"

"یہ مبارک باد کا موقع نہیں۔" ڈاکٹر قدیر گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ہپ ہپ ہُرا....!" نصیر نشے میں بڑبڑایا۔

"چپ رہو۔" بیگم عارف نے اُسے ڈانٹا۔

اور پھر کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔

ختم شد